ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت

ملتان

7 ذوالقعدہ 1440ھ | جولائی 2019ء

عزم وہمت اور صبر واستقامت کے
89 سال

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

- عوام دشمن بجٹ، انجام کیا ہوگا؟
- حدیث قرطاس اور اہل سنت کا عقیدہ
- سلف صالحین، گفتگو اور بات چیت کے آداب
- احرار کا چراغِ مصطفویؐ...... قادیاں کا شرارِ بولہبی
- سرکاری سکولوں کے تعلیمی نصاب کا ''ارتقاء''

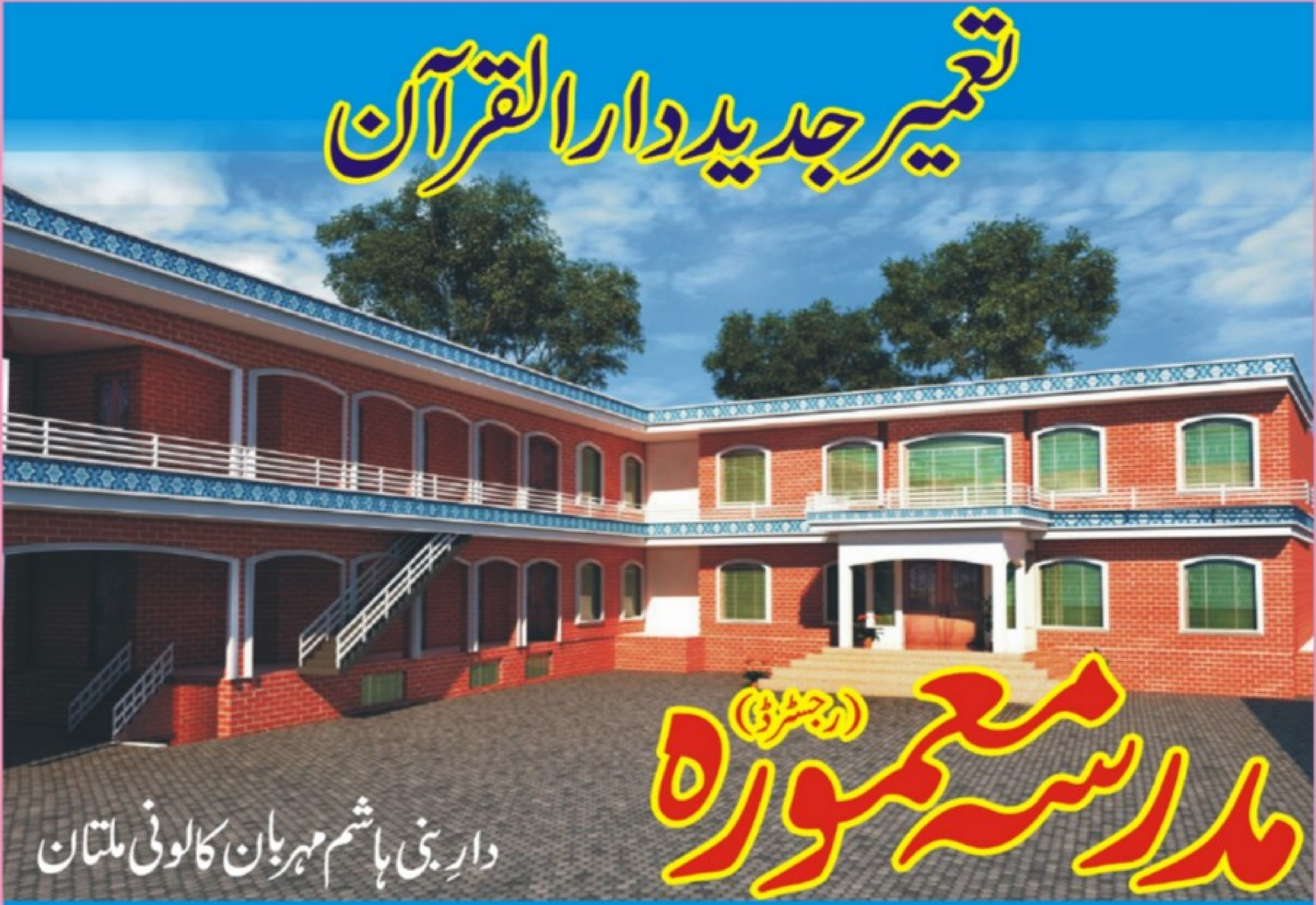

الحمدللہ بیسمنٹ ہال، دار القرآن، دفاتر اور لائبریری کی تعمیر جدید (17,500,000) ایک کروڑ پچھتر لاکھ روپے سے مکمل ہو چکی ہے۔

☆ درجہ کتب کے طلباء کے لیے درس گاہوں، دار الحدیث، دار الاقامہ پر مشتمل نئی عمارت کی تعمیر باقی ہے جس کا تخمینہ تقریباً (3,00,00,000) تین کروڑ روپے سے متجاوز ہے۔

☆ شوال 1440 سے درجہ کتب میں درجہ خامسہ تک داخلے جاری ہیں

رابطہ برائے ترسیل زر تعاون: **سید محمد کفیل بخاری** (ناظم مدرسہ معمورہ)

بذریعہ چیک، ڈرافٹ، آن لائن: بنام مدرسہ معمورہ: اکاؤنٹ نمبر

A/C # 5010030736200010
Branch Code : 0729
THE BANK OF PUNJAB

بذریعہ اے ٹی ایم ٹرانسفر: **07290160065740001**

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد: سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 30 شمارہ 07 جولائی 2019/ ذوالقعدہ ۱۴۴۰ھ

Regd.M.NO.32

فیضانِ نظر
حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِنگرانی
ابن امیر شریعت حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیر مسئول
سید محمد کفیل بخاری
kafeel.bukhari@gmail.com

رفقاءِ فکر
عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد
مولانا محمد مغیرہ • ڈاکٹر عمر فاروق احرار
قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس
سید عطاء اللہ ثالث بخاری
سید عطاء المنان بخاری
atabukhari@gmail.com
محمد نعمان سنجرانی

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد
0300-7345095

زرِتعاون سالانہ
اندرون ملک ——— 300/- روپے
بیرون ملک ——— 5000/- روپے
فی شمارہ ——— 30/- روپے

ترسیل زر بنام: ماہنامہ نقیب ختم نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل ایم، ڈی، اے چوک ملتان

تشکیل

اداریہ:	عوام دشمن بجٹ، انجام کیا ہوگا؟	سید محمد کفیل بخاری	2
دین و دانش:	قندیل نبوت کی روشنی سے اقتباس	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی رحمۃ اللہ علیہ	4
″	مسلمانوں کی تباہی کے اسباب (آخری قسط)	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ	5
″	حدیث قرطاس اور اہل سنت کا عقیدہ	امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ (ترجمہ و تلخیص: مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی)	8
″	سلف صالحین، گفتگو اور بات چیت کے آداب	انتخاب و ترجمہ: مولوی محمد نعمان سنجرانی	15
″	بے نمازی!	شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ	18
افکار:	علامہ محمد اقبالؒ کا عید الفطر کے اجتماع سے خطاب	مولانا زاہد الراشدی	20
″	"امتیازی سلوک"	احسان کوہاٹی	24
″	والدین اور دین کا درد رکھنے والے مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ! سرکاری سکولوں کے تعلیمی نصاب کا "ارتقاء"	سیدہ بنت وقار الحسن ہمدانی	27
″	کامیاب معلم کے اوصاف	مولانا مفتی محمد منصور احمد زید مجدہ	31
ادب:	دربار نبوت کی حاضری......ایک تمنا	مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ	39
″	نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	احمد ندیم قاسمی مرحوم	41
″	امام انبیا سوہنا محمد مصطفیٰ آیا	مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ	42
آپ بیتی:	میرا افسانہ (قسط:۱۰)	مفکر احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ	44
شخصیت:	مولانا شہزادہ آزاد سمبڑیالویؒ کی یاد میں	ڈاکٹر عمر فاروق احرار	50
مطالعہ:	احرار کا چراغ مصطفویؐ......قادیاں کا شرار بولہبی (قسط:۱)	آغا شورش کاشمیری رحمہ اللہ	52
قادیانیت:	ہائے اس ستمگر کو کیا کہیں؟ نبی یا منافق (آخری قسط)	شیخ راحیل احمد مرحوم (سابق قادیانی)	60
ترحیم:	مسافران آخرت	ادارہ	64

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

شعبہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت مجلس احرار اسلام پاکستان

مقام اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات

عوام دشمن بجٹ، انجام کیا ہوگا؟

سید محمد کفیل بخاری

پی ٹی آئی کی حکومت غریب اور متوسط طبقے پر قہر بن کر نازل ہوئی ہے۔ قرضوں سے نجات، خوش حالی، انصاف کی فراہمی اور قیامِ امن کے دعووں کے ساتھ اقتدار میں لائے گئے حکمران اپنے دعوے پورے کر سکے نہ وعدے وفا کر سکے۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ تو یہی ہے کہ یہاں الیکشن پر سلیکشن کو ہی ترجیح دی جاتی رہی ہے۔ ماضی میں تو سلیکٹڈ ٹیم بھی تحفۃً ساتھ دی جاتی تھی، لیکن اس مرتبہ حادثہ یہ ہوا کہ کپتان کو بغیر ٹیم کے اپنے جوہر دکھانے کے لیے میدان میں چھوڑ دیا گیا۔ اب کپتان کے پاس ہر قدم پر یوٹرن لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اور صورتِ حال کچھ ایسی ہے کہ ؂

رستہ نظر آتا ہے تو منزل نہیں ملتی
منزل نظر آتی ہے تو رستہ نہیں ملتا

قرائن سے لگتا ہے کہ وہ وقت قریب ہے جب جاننے کے باوجود کپتان لوگوں سے پوچھے گا:

''مجھے دھکا کس نے دیا تھا''

گزشتہ ماہ حکومت نے قومی اسمبلی میں وفاقی بجٹ پیش کیا، جس پر اپوزیشن کی طرف سے بحث جاری ہے۔ بجٹ کی منظوری حکومت کے لیے کڑا امتحان اور مشکل مرحلہ ہے۔ حقیقتاً ہے کہ یہ بجٹ آئی ایم ایف کی طرف سے پاکستان پر مسلط کردہ ہے، جس میں عوام کو معاشی طور پر قتل کر کے جینے کے حق سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔

26؍جون کو جمعیت علماءِ اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کی صدارت میں کل جماعتی کانفرنس اسلام آباد میں منعقد ہوئی۔ جس میں مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی کے علاوہ دیگر اپوزیشن پارٹیوں نے شرکت کی۔ اے پی سی کے مشترکہ اعلامیے میں بجا طور پر بجٹ کو عوام دشمن قرار دے کر مسترد کر دیا ہے۔ جبکہ 25؍جولائی 2019ء کو ملک بھر میں یومِ سیاہ منانے کا اعلان بھی کیا ہے۔ یہ حکومت کے خلاف اپوزیشن کی رابطہ عوام مہم کا نقطۂ آغاز ہے۔ دیکھتے ہیں کہ آئندہ دنوں میں اپوزیشن کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

جن کو چور اور لٹیرے قرار دے کر اقتصادی و معاشی پالیسیاں بنائی گئی ہیں، وہ ایک روپیہ بھی دینے کو تیار نہیں۔ ملک ریاض تو 460 ارب دے کر پاک صاف ہو گیا اور اس نے سیاست بھی نہیں کرنی۔ نواز اور زرداری نے تو سیاست کرنی ہے، وہ کیونکر تسلیم کریں گے کہ انھوں نے کرپشن کی ہے۔ لہٰذا سارا بوجھ غریب عوام کے کندھوں پر ڈال کر اُن کا جینا

محال کردیا گیا ہے۔

وزیراعظم فرماتے ہیں کہ سابق حکومت نے قرضے لیے، ہم اُن کا سود ادا کر رہے ہیں۔ حقائق یہ ہیں کہ نواز شریف حکومت نے دس ہزار ارب قرض لیا، جبکہ عمران خان ابتدائی 300 دنوں میں 5215 ارب روپے قرض لے چکے ہیں اور مزید لے رہے ہیں۔ سود الگ ادا کر رہے ہیں اور کرتے رہیں۔

عمران خان گیارہ ماہ سے حکومت کر رہے ہیں، اب تو ''کرپشن فری، نیا پاکستان'' ہے۔ ان کے بقول روزانہ پندرہ ارب روپے کرپشن کی نذر ہو رہے تھے۔ اب تو وہ سرکاری خزانے میں محفوظ ہیں، جو گیارہ ماہ میں 5000 ارب روپے بنتے ہیں۔ وہ کہاں ہیں؟

عوام کو نوکریاں ملیں نہ رہنے کو گھر، خوشحالی کی جگہ بدحالی نے لے لی ہے۔ انصاف کی جگہ ظلم کا راج ہے، عدالتی فیصلے متنازع بن گئے ہیں۔ نکاح مشکل اور زنا آسان بنایا جا رہا ہے۔ امن مفقود جبکہ دہشت گردی و بدامنی جاری ہے۔

حکمرانوں نے ایک بھی وعدہ پورا نہیں کیا۔ عوام سے بے وفائی حکومت کو لے ڈوبے گی۔ ریاستِ مدینہ کے دعوے داروں نے ریاست کو آئی ایم ایف اور یہودیوں کا غلام بنا دیا ہے۔ قرضوں پر خودکشی کو ترجیح دینے والے وزیراعظم نے ملک کو قرضوں کی دلدل میں دھنسا دیا ہے۔ اب ''نئے پاکستان'' میں ہر بچہ پہلے سے زیادہ مقروض پیدا ہو رہا ہے۔ عوام مہنگائی کی چکی میں پس رہے ہیں۔ معاشی طور پر ملک کا بیڑہ غرق اور عوام کو بے حال کر دیا ہے۔ ڈالر 163، پاؤنڈ 203، یورو 184، گیس 200 فیصد مہنگی، ڈیزل، پٹرول، بجلی سو فیصد مہنگے، سونا 12000 روپے فی تولہ مہنگا، 400 ارب کے ترقیاتی منصوبے ختم، پشاور میٹرو تباہ و برباد، ترقیاتی بجٹ میں 125 ارب کی کمی، بیرونی سرمایہ کاری میں 96 فیصد کمی، ملک کے اندر سرمایہ کاری متاثر، سرمایہ کار فرار، چہیتے سرمایہ داروں کو 20 ارب کی ٹیکس چھوٹ اور عوام پر 1200 ارب روپے کا مزید بوجھ ڈالا جائے گا۔

اف خدایا! اتنے ٹیکس، اتنی مہنگائی، اتنے قرضے، ابھی خزانہ نہیں بھرا؟

عوام تو ہر چیز پر ٹیکس دے رہے ہیں اور سب سے زیادہ دے رہے ہیں، جو کسی ریکارڈ پر نہیں۔ پکڑنا تو اُن کو چاہیے جنھوں نے سرمائے کی گردش روک دی ہے، جو ٹیکس چور ہیں، جب وزیراعظم، اُن کی بہن، اُن کے پارٹی رہنما اور اُن کے وزیر، مشیر بھی چور ہوں، تو چوروں کو کون پکڑے گا؟ آخر غریب عوام کا ہی گلا گھونٹا جائے گا۔ لیکن کب تک......

حکمران عوام کے صبر کا مزید امتحان نہ لیں، یہ صبر انھیں لے ڈوبے گا۔ عوام کے مسائل حل کریں ورنہ خود حل ہو جائیں گے۔

لیکن اب ظلم کی میعاد کے دن تھوڑے ہیں
اک ذرا صبر کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں

قندیلِ نبوت کی روشنی سے اقتباس

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں آدمی کو (خودرائی اور حرص کی بنا پر) یہ پرواہ نہیں ہوگی کہ جو کچھ وہ لیتا ہے آیا وہ حلال ہے یا حرام (صحیح بخاری)

☆......☆......☆

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ ہر ایک سود کھائے گا اگر وہ نہیں کھائے گا تو بھی اس کو اس کا غبار یا دھواں ضرور پہنچے گا۔ (رواہ احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

☆......☆......☆

(۳) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب تم لوگوں پر دوسری اقوام چڑھ دوڑیں گی، جس طریقے سے کھانے والے لوگ کٹورے پر آتے ہیں۔ (یعنی وہ دسترخوان کے گرد اکٹھے ہو ہو کر آتے ہیں) ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا ہم لوگ اُس دور میں کم ہوں گے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ اس دور میں تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہوگے، لیکن تم لوگ ایسے ہوگے جس طرح کہ دریا کے پانی پر کوڑے کرکٹ کا میل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کا رعب اور دبدبہ تمھارے دشمنوں کے دلوں سے نکال لیں گے اور اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں ''وھن'' پیدا فرمادے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! ''وھن'' کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا کی محبت اور موت کا ڈر (تمھارے اندر آجائے گا)۔ (ابوداؤد)

☆......☆......☆

(۴) حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ فتنہ وفساد کے زمانہ میں عبادت کرنا ایسے ہے جیسے میری طرف ہجرت کرکے آنا (مسلم، ترمذی، مسند احمد)

☆......☆......☆

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمھارے حاکم نیک اور پسندیدہ ہوں، تمھارے مال دار کشادہ دل اور سخی ہوں اور تمھارے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوں، تو تمھارے لیے زمین کی پشت اس کے پیٹ سے بہتر ہے۔ (یعنی مرنے سے جینا بہتر ہے) اور جب تمھارے حاکم شریر ہوں، تمھارے مال دار بخیل ہوں اور تمھارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں، تو تمھارے لیے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے (یعنی ایسی زندگی سے مرجانا بہتر ہے)۔ (جامع ترمذی) (اقتباس از تجلیات نبوت)

مسلمانوں کی تباہی کے اسباب (آخری قسط)

شیخ الحدیث، حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ کی قربانی کی تھی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قربانی فرما رہے تھے تو پانچ، چھے اکٹھے اُمڈے ہوئے آتے تھے کہ پہلے کون قربان ہو۔ ابوداؤد شریف میں یہ قصہ مذکور ہے اور جب ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ معمولی حکام، بے بس حکام جن کے قبضہ میں کچھ بھی نہیں ہے، وہ اپنے فرماں برداروں کی ہر طرح حمایت کرتے ہیں تو اللہ جل جلالہٗ اپنے مطیعوں کی حمایت کیوں نہ کرے گا اور قرآن شریف کا وعدہ ہے:

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوْ اللّٰہَ یَنْصُرْ کُمْ. (محمد:۷)

ترجمہ: اے ایمان والو اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ جل شانہٗ تمھاری مدد کرے گا۔

اِنْ یَّنْصُرْ کُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَ اِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُ کُمْ مِّنْ بعَدِہٖ. (آل عمران:۱۶۰)

ترجمہ: اگر اللہ جل شانہٗ تمھاری مدد کریں تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں ہو سکتا اور وہ اگر مدد نہ کریں تو پھر ان کے علاوہ کون مدد کر سکتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس چیز کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا، اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی طبیعت بن گئی تھی، کامیابی اُن کے ساتھ تھی، ہر نوع کی مدد اُن کی رفیق تھی اور جہاں کہیں کسی قسم کی لغزش ہوئی وہاں مشقتیں، دقتیں اٹھانا پڑیں۔ جنگ اُحد کا قصہ مشہور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو ایک خاص جگہ پر متعین فرما کر حکم دے دیا تھا کہ ہم غالب ہوں یا مغلوب، تم اس جگہ سے نہیں ہٹنا۔ مسلمان غالب ہوتے جا رہے تھے اور جب کافی غلبہ ہو گیا تو اس جماعت کے بہت سے افراد نے یہ سمجھ کر کہ اب تو غلبہ بالکل ہی حاصل ہو گیا ہے، بھاگنے والے کفار کا تعاقب کیا۔ اس جماعت کے امیر نے کہا بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ اگر ہم غالب بھی ہو جائیں، تب بھی تم یہاں سے نہ ہٹنا، مگر جماعت نے غلط فہمی سے اس حکم کو یہ سمجھا کہ معمولی غلبہ مراد ہے اور اب بالکل غلبہ ہو چکا ہے، اس لیے اس جگہ سے ہٹ گئے اور خالد بن ولید نے جو اس وقت کفار کے سپہ سالار تھے، اسی جگہ سے آ کر پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ کتب حدیث و تاریخ میں یہ قصہ مشہور ہے۔ حنین کی لڑائی میں مسلمانوں کی کثرت اور کفار کی قلت کی وجہ سے بعض مسلمانوں کو کچھ غرور پیدا ہوا، جس کی وجہ سے سخت پریشانی اور دقت کا سامنا مسلمانوں کو کرنا پڑا۔ قرآن پاک میں بھی اس کی طرف اللہ جل جلالہٗ نے متوجہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لَقَدْ نَصَرَ کُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَ لَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ. (توبہ:۲۵)

ترجمہ: تمھاری اللہ جل شانہ نے بہت سے موقعوں میں مدد کی اور حنین کے دن بھی مدد کی، جب کہ تم کو اپنی کثرت کی

وجہ سے غرور ہو گیا تھا، پس وہ کثرت تمھاری کچھ کام نہ آئی (اور کفار کے تیر برسانے سے ایسی پریشانی تم کو ہوئی) کہ تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔

مرتدین کی لڑائی میں اوّل طلیحہ الکذاب سے معرکہ ہوا، جس میں بہت سے لوگ بھاگ گئے، کچھ مارے گئے۔ خود طلیحہ بھی بھاگ گیا، اس سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ اس کے بعد مُسیلمہ کی جماعت سے لڑائی ہوئی اور جس میں بہت سخت مقابلہ ہوا اور ہزاروں آدمی اس کی جماعت کے قتل ہوئے اور مسلمانوں کی بھی بڑی جماعت شہید ہوئی۔ حضرت خالد بن ولید ان معرکوں کے سپہ سالار تھے، فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''جب ہم طُلیحہ کذاب سے فارغ ہوئے اور اس کی شوکت کچھ زیادہ نہ تھی تو میری زبان سے ایک کلمہ نکل گیا اور مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے، (میں نے کہہ دیا تھا) کہ بنی حنیفہ ہیں ہی کیا چیز۔ یہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں سے ہم نبٹ چکے ہیں (یعنی طُلیحہ کی جماعت)۔ مگر جب ہم اس کی جماعت سے بھڑے تو ہم نے دیکھا کہ وہ کسی کے مشابہ نہیں ہیں۔ طلوعِ آفتاب سے لے کر عصر کے وقت تک وہ برابر مقابلہ کرتے رہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خود اقرار فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ زبان سے نکل گیا تھا، جس کی وجہ سے اتنے سخت مقابلہ کی نوبت آئی۔ اسی وجہ سے یہ حضرات خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم ذرا ذرا سی چیز کی نگرانی اور اس پر تنبیہ فرماتے تھے۔ یرموک پر جب حملہ ہو رہا تھا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عراق کی لڑائی میں مشغول تھے۔ یرموکی لشکر کی مدد کے واسطے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا اور تحریر فرمایا کہ عراق پر اپنا جانشین مقرر کر کے فوراً یرموک پہنچو۔ اس خط میں ان کی تعریف فرمائی تھی اور کامیابیوں پر مبارک باد دی تھی اور یہ لفظ بھی لکھا تھا:

ترجمہ: ''تمھارے اندر عُجب (غرور) ہرگز پیدا نہ ہو کہ اس سے نقصان اٹھاؤ گے اور ذلیل ہو گے۔ اپنے کسی عمل پر ناز نہ کرنا، اللہ ہی کا احسان ہے اور وہی بدلہ کا مالک ہے''۔

ان حضرات کے خطبات میں، تحریرات میں ذرا ذرا سے اُمور پر تنبیہ اور اہتمام ہوتا تھا اور معاصی پر زبردست گرفت ہوتی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے جس قدر کارنامے مشہور و معروف ہیں، دوست، دشمن، مسلمان، کافر سب ہی واقف ہیں۔ خلافتِ صدیقی میں ایک واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر کی امارت سے ان کو معزول کرنے پر بہت مُصر ہوئے، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبول نہیں فرمایا۔ خلافت فاروقی میں ایک واقعہ کی بنا پر کہ ایک شاعر کو بہت سا انعام دے دیا تھا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی مشکیں بندھوا کر بلوایا گیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب پہلی مرتبہ بیت المقدس تشریف لے جا رہے تھے تو قرب و جوار کی فوجوں کے سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ اپنی فوجوں پر اپنا قائم مقام کسی کو بنا کر، مجھ سے جابیہ میں (ایک جگہ کا نام ہے) آ کر ملیں۔ یہ سب اُمراء جابیہ پہنچے، سب سے اوّل یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ حضرات کچھ ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر سواری سے

اترے اور پتھر اٹھا اٹھا کر ان حضرات کو مارنا شروع کر دیا اور فرمایا کہ کس قدر جلدی تم اپنے پرانے خیالات سے ہٹ گئے کہ اس ہیئت میں مجھ سے ملنے آئے ہو۔ ابھی دو ہی برس سے تم کو پیٹ بھر کر ملنے لگی ہے، جس پر یہ حالت ہوگئی ہے، اگر دو سو برس کی امارت کے بعد بھی تم اس ہیئت کو اختیار کرتے تو میں تمھاری جگہ دوسروں کو امیر بناتا۔ انھوں نے معذرت کی اور عرض کیا کہ ہم نے ہتھیار لگائے ہوئے یہ کپڑا اوپر پہن لیا تھا (طبری)۔ ریشمی لباس کی فقہی بحث الگ چیز ہے، بعض انواع اس کی جائز ہیں۔ میسان جب فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن عدی کو وہاں کا حکم بنا دیا۔ انھوں نے اپنی بیوی کو بھی وہاں لے جانا چاہا، مگر وہ نہیں گئیں تو انھوں نے اپنی بیوی کو ایک خط لکھا، جس میں وہاں کی راحتیں اور لطف اشعار میں لکھا، جن میں شراب اور اس کے خوشنما گلاسوں کے دَور چلنے کا بھی ذکر شاعرانہ انداز میں کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوگئی، ان کو خط لکھا، جس میں بسم اللہ کے بعد اوّل سورہ غافر کی پہلی آیت لکھی، اس کے بعد تحریر فرمایا مجھے تمھارا فلاں شعر پہنچا، میں نے تمھیں معزول کر دیا۔ وہ حاضر ہوئے اور قسم کھائی کہ میں نے شراب نہیں پی، وہ محض شاعرانہ طور پر لکھ دیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ ''مجھے بھی تمھارے ساتھ یہی حسن ظن ہے، مگر میں تمھیں کسی جگہ کا حاکم کبھی نہیں بناؤں گا''۔ (معجم البلدان)

یہ سخت گیری اور تنگ نظر تھی ان حضرات اکابر کی، تاریخ اور کتب حدیث میں ہزاروں واقعات اس رنگ کے پاؤ گے، یہی دارین کی ترقیات کا واحد سبب تھا اور جہاں کہیں کوئی لغزش ہوئی، وہاں نقصان بھی پہنچا۔ جس کی نظیریں ابھی پڑھ چکے ہو اور ساتھ ہی یہ بھی کہ جتنا اونچا طبقہ یا فرد تھا اتنی ہی معمولی لغزش پر اللہ جل شانہٗ کی طرف سے تنبیہ ہوئی۔ اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ سورہ عبس میں اس چیز پر تنبیہ ہے کہ ایک نابینا غریب کے مقابلہ میں دنیا دار مالدار کی رعایت کیوں ہوئی، حالانکہ وہ رعایت دین ہی کے خاطر تھی اس کے بالمقابل جتنا معمولی طبقہ تھا اتنے ہی معمولی سیئات سے درگزر اور سیئات کے بڑھ جانے پر گرفت ہوئی۔ جزیرہ سردانیہ بہت مشہور جزیرہ ہے ۹۰ھ کے آس پاس فتح ہوئی ہے۔ مال غنیمت میں خاص طور سے اس میں خیانتیں کثرت سے ہوئیں، جس کے ہاتھ جو لگا اُڑا لیا۔ فتح کے بعد جہاز میں سوار ہو کر واپس آرہے تھے کہ غیب سے آواز آئی: ''اے اللہ! ان کو غرق کر دے'' اور سب غرق ہو گئے (اشاعۃ)۔

وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تھے جو اس مضمون کے شروع میں تھے اور یہ واقعات ان کی مثالیں ہیں، گزشتہ تواریخ کے اوراق ان سے پُر ہیں اور آج جو ہو رہا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ بے دینی کے اسباب ہم اپنے ہاتھوں اختیار کرتے جا رہے ہیں، گناہوں میں زور و شور سے منہمک ہوتے جا رہے ہیں، پریشانیاں اور بدحالیاں بڑھتی جا رہی ہیں اور اب تو اجتماعی صورت سے خود اسلام کو خیر باد کہنے کی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ دین کے ایک ایک جز کو چھوڑا جا رہا ہے، اب اس کا اگر حل ہو سکتا ہے تو دین پر پختگی اور گناہوں سے احتراز ہی سے ہو سکتا ہے، مگر اس دقیانوسی بات کو کون کہہ سکتا ہے اور کس سے کہا جائے۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَ الْمُسْتَعَانُ.

☆......☆......☆

حدیث قرطاس اور اہل سنت کا عقیدہ

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ
(ترجمہ وتلخیص: مولانا نسیم احمد فریدی امروہویؒ)

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ......

سوال کیا گیا ہے: حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضِ وفات میں فرمایا تھا: ''ایتونی بقرطاسٍ اَکْتُبَ لَکُمْ کِتَابًا لن تضلّوا بعدیٗ'' یعنی مجھے کاغذ لاؤ میں تمھیں ایسی تحریر لکھ دوں کہ تم میرے بعد ہرگز راہِ راست سے نہ ہٹ سکو۔ (کہا جاتا ہے کہ) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ چند اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کاغذ لانے کو منع کیا اور کہا ''حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ '' (ہمارے لیے کتاب اللہ کافی ہے) اور یہ بھی کہا ''أَھَجر؟ اِسْتَفْھِمُوہٗ '' ......یعنی کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غلبہ مرض کی بنا پر یہ بے قصد کلام فرما رہے ہیں، معلوم کرو؟...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو جو کچھ فرماتے تھے، وہ از روئے وحی فرماتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ''اور وحی کو رد کرنا کفر ہے۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ'' وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ'' سے ظاہر ہے۔ نیز کلام بے مقصد و بے اختیار کا پیغمبر کے لیے جائز رکھنا گویا اس کے احکامِ شرعیہ سے اعتماد اٹھا دینا ہے اور یہ بھی کفر، الحاد اور زندقہ ہے۔ آخر اس شبہے کا جواب کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ تم کو رشد و ہدایت عطا کرے اور صراطِ مستقیم پر چلائے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ اس قسم کے شبہات ایک جماعت کے لوگ حضرات خلفاءِ ثلاثہ پر اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر وارد کیا کرتے ہیں اور ان تشکیکات کے ذریعے اُن اکابرِ ملت کو مجروح کرنا چاہتے ہیں۔ کاش یہ لوگ انصاف پر آ جائیں اور صحبتِ خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ذہن نشین کر لیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نفوس، صحبت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم میں رہ کر ہوا و ہوس سے پاک اور اُن کے سینے عداوت و کینہ سے صاف ہو گئے تھے اور یہ بھی جان لیں کہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم وہ اکابر دین اور پیشوایان اسلام ہیں، جنھوں نے اپنی طاقتوں کو کلمۂ اسلام کے بلند کرنے میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں اور اپنے اموال کو بھی اسی مقصد کے پیشِ نظر، رات دن، خفیہ اور علانیہ صرف کیا ہے...... انھوں نے محبتِ رسول کی خاطر اپنے قبیلوں کو، اپنی اولاد و ازواج کو، اپنے وطنوں اور مکانوں کو، اپنے چشموں اور کھیتوں کو، اپنے باغات اور نہروں کو چھوڑا ہے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کو اپنے نفسوں پر ترجیح دی، انھوں نے اپنی اور اپنی ذُرِّیّات و اموال کی محبت

کے مقابلے میں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ یہی وہ صحابہ ہیں جن کے سامنے وحی آتی تھی، جنھوں نے معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے، یہاں تک کہ اُن کا غیب حضوری بن گیا اور اُن کا علم، مشاہدہ ہوگیا۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کی تعریف قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، (چنانچہ ایک جگہ فرمایا ہے) رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ (یعنی اللہ ان سے راضی ہوگیا یہ اللہ سے راضی ہوگئے)۔ دوسری جگہ توریت وانجیل کا حوالہ دے کر فرمایا: ''مَثَلُھُمۡ فِی التَّوۡرَاۃِ وَ مَثَلُھُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ'' جب کہ تمام اصحاب کرام رضی اللہ عنہ ان فضیلتوں میں شریک ہیں تو پھر سمجھنا چاہیے کہ کیا مقام ہے خلفاءِ راشدین کا جو اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہی عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا: یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ'' (اے نبی آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور مومنین میں سے وہ بھی جنھوں نے آپ کی اتباع کی) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ کا سببِ نزول، حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اسلام ہے۔

نظرِ انصاف حاصل ہو اور شرفِ صحبت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کر کے اُن تمام فضائل ودرجات کو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے تھے، جان لیا جائے تو اس قسم کے شبہات کو خود معترضین مغالطہ وملمع کاری تصور کریں گے اور قابلِ اعتبار نہ سمجھیں گے، چاہے وہ غلطی کے اصل مادے کی تشخیص وتعین نہ کرسکیں، مگر اس قدر ضرور جان لیں گے کہ ان شبہات کی کوئی حقیقت اور اُن میں کوئی افادیت نہیں ہے، بلکہ یہ شبہات ضروریات اسلامیہ سے ٹکراتے ہیں اور کتاب وحدیث کی رو سے مردود ہیں۔ پھر بھی سوال (مندرجہ) کے جواب اور مادۂ غلطی کی تعیین میں چند مقدمات، اللہ کی مدد سے لکھے جاتے ہیں، خوب اچھی طرح سن لیں، (دراصل) اس اشکال کا جواب چند مقدمات پر موقوف ہے، جن میں سے ہر ہر مقدمہ بھی ایک مستقل جواب ہے۔

مقدمۂ اوّل:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات، وحی (حکمی) نہیں ہوتے تھے...... (بلکہ کچھ باتیں بطور مشورہ کے بھی فرمائی جاتی تھیں) آیت وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی نطق قرآنی کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ اہل تفسیر نے کہا ہے، (مطلب یہ کہ قرآن کُل کا کُل کلام الٰہی ہے)۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع اقوال بموجب وحی ہوتے تو آپ کے بعض اقوال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ اور عتاب نہ ہوتا اور نہ اس سے معافی کا ہونا کچھ گنجائش رکھتا، (حالانکہ قرآن مجید میں) اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو مخاطب فرما کر ارشاد فرماتا ہے ''عَفَا اللّٰہُ عَنۡکَ لِمَ اَذِنۡتَ لَھُمۡ'' (سورہ توبہ)۔ (اے نبی اللہ نے تمھیں معاف کیا، تم نے اُن منافقوں کی باتوں میں آ کر انھیں اجازت دی)۔

مقدمۂ دوم:

احکامِ اجتہاد اور امورِ عقلیہ میں...... بموجب آیۂ کریمہ'' وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ''(اے نبی تم معاملات میں اپنے اصحاب سے مشورہ لیا کرو)۔ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو اظہار رائے اور بحث کی گنجائش ہے، کیونکہ اس کے بغیر مشورے کا حکم بالکل بے معنی ہے۔ بدر کے قیدیوں کے قتل کرنے یا اُن سے فدیہ لے کر چھوڑ دینے میں اختلاف رائے واقع ہوا تھا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا، پھر وحی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہی کی رائے کے موافق آئی۔

مقدمۂ سوم:

سہو ونسیان، پیغمبر کے لیے جائز ہے، بلکہ واقع ہوا ہے۔ چنانچہ ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ چار رکعت والی ایک نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا نماز میں قصر ہو گیا یا آپ کو سہو ہوا؟ قولِ ذوالیدین کی سچائی کا ثبوت ملنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں اور پڑھیں اور سجدہ سہو کیا۔ جب سہو ونسیان، حالت صحت وفراغت میں مقتضائے بشریت جائز ہے تو حالتِ مرض الموت میں غلبۂ مرض کے وقت کلام بےقصد و بےاختیار کا صادر ہونا کیوں ممکن نہ ہوگا؟ اور اس چیز سے احکام شرعیہ کا اعتماد کیوں اٹھنے لگا، جب کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سہو ونسیان پر مطلع اور صحیح وخطا کو جدا فرما دیتا تھا۔ ہاں یہ مسلّم ہے کہ نبی کا خطا پر برقرار رہنا جانا اور اس کی تصحیح نہ ہونا احکام شرعیہ سے اعتماد کو زائل کرنے والا ہے اور یہ مسلّم ہے کہ نبی سہو ونسیان پر قائم نہیں رہ سکتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تصحیح ہو ہی جاتی ہے۔

مقدمۂ چہارم:

حضرت فاروق بلکہ خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو کتاب وسنت کی رو سے جنت کی بشارت مل چکی ہے اور ان کے حق میں جنت کی بشارت والی احادیث اپنے راویوں کی کثرت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ حدِ شہرت اور حدِ تواترِ معنوی کو پہنچ گئی ہیں۔ ان کا انکار کرنا جہالت کی وجہ سے ہو سکتا ہے یا دشمنی کے سبب سے۔ اگر بعض مخالف فرقوں کی کتب احادیث میں ان بشارات کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو اس کا کوئی اثر ان کے ثبوت پر نہیں پڑتا، کسی کتاب میں عدم روایت سے عدم بشارت لازم نہیں آتی...... ان اکابر صحابہ کے لیے بشارت کا ثبوت قرآن مجید ہی میں بہت سی آیات کے اندر موجود ہے، اُن میں سے بعض آیات یہ ہیں:

''وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ''یعنی مہاجرین وانصار میں سے سابقین اوّلین اور وہ لوگ جنھوں نے نیکوکاری میں اُن کی پیروی کی، راضی ہے اللہ تعالیٰ اُن سے

سب سے اور یہ راضی ہوئے اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے بہشتی باغات تیار کیے ہیں کہ اُن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ رہیں گے وہ اُن میں، یہ ہے بڑی کامیابی۔ (سورۃ التوبہ: آیت ۱۰۰)

دوسری جگہ فرماتا ہے:

''لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَ قَاتَلُوْا وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی'' یعنی برابر نہیں تم میں سے وہ لوگ جنھوں نے (دین کی راہ میں) فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا، یہ لوگ اُن لوگوں سے مرتبے میں بہت بڑے ہیں، جنھوں نے بعد فتحِ مکہ خرچ کیا اور قتال کیا اور ان میں سے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرمایا ہے، بہتری کا۔ (سورۃ الحدید: آیت ۱۰)

پس جب تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنھوں نے فتحِ مکّہ سے پہلے اور فتحِ مکہ کے بعد انفاق و مقاتلہ کیا (یعنی دین کی راہ میں جان و مال کی قربانی کی ہے)، بہشت کی بشارت دی گئی ہے تو اُن اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا کلام ہوسکتا ہے، جو انفاق فی سبیل اللہ، مقاتلہ اور ہجرت میں سابق تر ہیں اور اُن کی عظمتِ شان کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت ''لا یَسْتَوِی'' حضرت صدیقِ اکبر کی شان میں نازل ہوئی کیونکہ وہ انفاق و مقاتلہ میں تمام سابقین میں سابق تر ہیں۔

تیسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ'' یعنی یقیناً اللہ خدا راضی ہوا مومنین سے جب کہ وہ آپ کے ہاتھ پر (ببول کے) درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے۔ (سورۃ الفتح: آیت ۱۸)

امام محی السنّت بغویؒ نے معالم التنزیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں نہ جائے گا، اُن میں سے ایک بھی، جنھوں نے (وادی حدیبیہ میں) ببول کے درخت کے نیچے بیعت کی ہے۔ اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں، اس لیے کہ حضرت حق جل مجدہٗ اس بیعت کرنے والی جماعت سے راضی وخوش ہوگئے۔ اس میں کیا شک ہوسکتا ہے کہ اللہ کے کسی ایسے بندہ کی تکفیر کرنا بدترین برائی اور کفر ہے جو کتاب وسنت کی رو سے بشارت یافتہ ہو۔

مقدمۂ پنجم:

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کاغذ لانے میں توقف وتامل کرنا نعوذ باللہ ردّ وانکار کی رو سے نہ تھا، اس قسم کی گستاخی خلقِ عظیم والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نشینوں سے کیسے ہوسکتی تھی؟ ایک ادنیٰ صحابی سے بھی جو محض ایک یا دو

بار شرفِ صحبت خیر البشر سے مشرف ہوا ہو، ایسی گستاخی کی توقع نہیں کی جاسکتی، بلکہ عام امتیوں کے بارہ میں بھی جو دولت اسلام سے سرفراز ہو چکے ہیں، اس قسم کے ردّ و انکار کا وہم نہیں ہوسکتا، پھر بھلا اس شخص سے کیونکر اس گستاخی کی توقع ہو جو اکابرِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اعاظمِ مہاجرین وانصار میں سے ہو؟

اللہ تعالیٰ انصاف کا مادہ نصیب کرے تا کہ اکابر دین کے ساتھ اس طرح کی بدگمانی اور بغیر سمجھے ہر کلمہ وکلام پر گرفت نہ کریں...... مقصدِ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ تو استفہام واستفسار تھا، چنانچہ انھوں نے فرمایا: ''اِسْتَفْهِمُوْهُ'' مطلب یہ ہے کہ دریافت کرلو، اگر قرطاس کو اہتمام کے ساتھ طلب فرمائیں تو لے آیا جائے اور اگر اس بارے میں کوئی خاص اہتمام مقصود نہیں تو پھر اس نازک وقت میں آپ کو تکلیف نہ دینی چاہیے۔ اگر کسی وحی کی بنا پر آپ نے قرطاس طلب فرمایا ہے تو تاکید کے ساتھ طلب فرمائیں گے اور جس بات کے لکھنے کا حکم آپ کو ہوا ہے، ضرور لکھوائیں گے، اس لیے وحی کا پہنچانا نبی واجب ولازم ہے اور اگر یہ قلم کی کاغذ کی طلب، وحی سے نہیں بلکہ اپنی رائے اور خیال سے یہ بات آپ نے فرمائی ہے تو وقت کی نزاکت، مساعدت نہیں کرتی۔ آپ کی وفات کے بعد بھی سلسلہ اجتہاد باقی ہے۔ آپ کی مجتہد کے کتاب اللہ سے جو دین کا اصل اصول ہے، احکام اجتہادیہ کو نکال لیں گے۔ جبکہ نزول وحی کے زمانے میں ہی اجتہاد کی گنجائش تھی تو وفات کے بعد جو کہ انقطاعِ وحی کا زمانہ ہوگا بطریقۂ اَولیٰ اہلِ علم کا استنباط واجتہاد مقبول ہوگا۔ اور چونکہ اس بارے میں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اہتمام نہیں فرمایا بلکہ اس بات سے اعراض کیا تو معلوم ہوگیا کہ یہ بات از روئے وحی نہ تھی۔

اور وہ تامل وتوقف جو استفسار کے لیے ہو ہرگز مذموم نہیں ہے۔ (دیکھو) ملائکہ نے استفسار کی غرض سے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا ''اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَاءَ '' (کیا آپ زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ بنائیں گے جس کی نسل میں (کچھ لوگ) فساد فی الارض کریں گے اور خون بہائیں گے۔ سورۃ البقرۃ: آیت ۳۰)۔ اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے لڑکے حضرت یحییٰ کی بشارت ولادت پا کر کہا تھا ''اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ '' (میرے یہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا، جب کہ میں بوڑھا ہوں اور میری زوجہ بانجھ ہے۔ سورۃ آل عمران: آیت ۴۰) اور اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام نے (ولادتِ عیسیٰ کی خبر پا کر) کہا تھا ''اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا '' (مجھ سے کیسے پیدا ہوگا دراں حالے کہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا، اور نہ میں بدکار رہوں۔ سورۃ مریم: آیت ۲۰)۔ پس اگر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی استفہام واستفسار کی غرض سے قرطاس لانے میں توقف کیا تو اس میں کیا مضائقہ ہے اور اس پر اتنا کیوں شور وشر ہے؟

مقدمۂ ششم:

صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حسنِ ظن رکھنا ضروری ہے اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ بہترین زمانہ، زمانۂ سرورکائنات ہے اور آپ کے اصحاب، انبیاء کے بعد بہترین اولادِ آدم تھے، اور اس کے نتیجہ میں یہ یقین کرنا بھی لازم ہے کہ بہترین زمانے میں، بہترین بنی آدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ہرگز امر باطل پر اجتماع واتفاق نہ کریں گے اور ایسے لوگوں کو ہرگز جانشین پیغمبر نہ بنائیں گے جو (نعوذ باللہ) کافر یا فاسق ہوں۔

اور یہ جو ہم نے کہا کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم بہترین اولاد آدم علیہ السلام تھے، اس بنا پر کہا کہ یہ اُمّت نصِ قرآنی کی رو سے خیر الامم ہے اور اس اُمت کے بہترین افراد یہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ پس تھوڑا سا انصاف کرنا اور سمجھنا چاہیے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا قرطاس کے لانے سے منع کرنا معاذ اللہ کفر تھا تو پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو تصریح جو بنصِ قرآنی اس بہترین اُمّت میں سب سے زیادہ متقی تھے، حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو تصریح وتعین کے ساتھ اپنا خلیفہ مقرر نہ کرتے۔ اور وہ مہاجرین وانصار جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمائی ہے اور جن سے اللہ تعالی راضی ہو گیا اور جن سے اُس نے جنت کا وعدہ کیا ہے، وہ مہاجرین وانصار حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے بیعت نہ کرتے اور ان کو جانشین پیغمبر نہ بناتے۔

جب حسنِ ظن جو کہ مقدمۂ محبت ہے، صحبت آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہو گیا تو اس قسم کے اعتراضات کی مزاحمت سے نجات میسر ہو گئی اور ان اعتراضوں کا ظاہری طور پر باطل ہونا ظاہر ہو گیا اور اگر نعوذ باللہ حسن ظن صحبتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل نہ ہوا اور بدگمانی کی نوبت آئی تو یہ بدگمانی صحابہ سے آگے بڑھے گی اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمانی ہوگی۔ گی بلکہ مولائے حقیقی تک بدگمانی کا سلسلہ پہنچے گا۔ اس بات کی خرابی کو خوب سمجھ لیا جائے، جس نے توقیر اصحابِ کرام صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کی، وہ گویا رسول ہی پر ایمان نہ لایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں یوں فرمایا ہے کہ جس نے اُن سے محبت کی، اس نے میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی اور جس نے اُن سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھا۔ پس محبتِ رسول کے لیے محبتِ صحابہ لازم ہے اور بغضِ اصحاب مستلزم بغضِ نبی ہے۔

جب یہ مقدمات واضح ہوئے تو بے تکلف اس شبہے اور اس قسم کے دوسرے شبہات کا جواب حاصل ہو گیا، بلکہ بہت سے جوابات حاصل ہو گئے۔ اس لیے کہ ان مقدمات میں سے ہر مقدمہ ایک مستقل جواب ہے۔

اس قسم کے شبہات فقیر کے نزدیک ایسے ہیں جیسا کہ ایک چالاک و مکار شخص ناواقفوں کی ایک جماعت کے

پاس آئے اور اپنے پُر فریب دلائل سے ایک پتھر کو جو کھلا ہوا پتھر ہے سونا بتائے۔ اور یہ بے چارے جب اُس شخص کے ظاہری ملمع شدہ دلائل کے دفع کرنے سے عاجز ہو جائیں اور اُن دلائل کی غلطی کے مواقع کی تشخیص نہ کر سکیں تو ناچار شک و شبہ میں پڑ جائیں بلکہ یقین کر لیں کہ ہاں وہ پتھر سونا ہی ہے اور اپنے حسّ وادراک کو فراموش کر دیں۔

ایک ہوشیار اور ذی فہم آدمی کو چاہیے کہ حس کی ہدایت پر اعتماد کرے اور ان دلائل کو جو ٹیپ ٹاپ کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ نا قابل اعتبار وساوس قرار دے دے۔ ہم جو گفتگو کر رہے ہیں اس میں بھی خلفاءِ ثلاثہ کی بزرگی وعظمت بلکہ تمام اصحابِ کرام رضی اللہ عنہ کی بزرگی کتاب وحدیث کی رو سے محسوس ومشاہد ہے۔ لہٰذا وہ شخص جو ملمع کاری کے ساتھ دلائل قائم کر کے اُن پر عیب لگاتا اور طعن کرتا ہے اس شخص کی مانند ہے جو محسوس چیز کو کچھ کا کچھ بتا کر لوگوں کو بہکا رہا ہے:

''رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَ ھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّاب ''

کاش میں سمجھ سکتا کہ اکابرِ دین اور پیشوایانِ اسلام کو بُرا کہنے پر ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا ہے؟ حالانکہ کسی فاسق وکافر کو بھی سب وشتم کرنا، شریعت میں عبادت، کرامت، فضیلت اور نجات کا ذریعہ نہیں شمار کیا گیا۔ پھر ہادیانِ دین اور حامیانِ اسلام پر سبّ وطعن کیسے عبادت بن جائے گا؟

قرآن مجید میں اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کی گئی ہے: ''رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ '' (آپس میں رحم دل ہیں۔ سورۃ الفتح: آیت ۲۹)، پس ان بزرگوں کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ آپس میں عداوت وکینہ رکھتے تھے، نصِ قرآنی کے خلاف ہے۔ ان بزرگوں کے اندر (خوامخواہ)، عداوت وکینہ ثابت کرنا طرفین کے لیے باعثِ طعن اور قابلِ اعتراض ہے، دونوں گروہوں سے اعتماد وعقیدت کا تعلق ختم ہو جاتا ہے اور اس سے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کے ہر دو فریق مطعون ہو جائیں گے۔ نعوذ باللّٰہ من ذٰلک. نیز اس طریقے سے انبیاء علیہم السلام کے بعد جو بہترین اولادِ آدم ہیں، وہ بدترینِ مردم قرار پا جائیں گے اور بہترین زمانہ، بدترین زمانہ قرار پائے گا۔

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کون سی بزرگی ہوگی کہ خلفاءِ ثلاثہ اُن سے عداوت کرنے والے بتائے جائیں اور خود اُن کو پوشیدہ قلبی عداوت رکھنے والا ظاہر کیا جائے؟ یہ تو طرفین پر طعن ہوا...... یہ حضرات کیوں نہ باہم شیر وشکر اور ایک دوسرے پر جان فدا کرنے والے قرار دیے جائیں؟۔ امرِ خلافت ان بزرگوں کے نزدیک مرغوب ومطبوع نہیں تھا کہ سبب عداوت وکینہ ہو جاتا۔ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ. والصلوٰۃ والسّلام علی سید الانام و علیٰ آلہ و اصحابہ الکرام الی یوم القیام

(مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۹۶، بنام خواجہ ابوالحسن بدخشی کشمی)

سلف صالحین، گفتگو اور بات چیت کے آداب

انتخاب وترجمہ: مولوی محمد نعمان سنجرانی

☆ میمون بن مہران سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمائیے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا: بولنا بند کر دو۔ اس نے عرض کیا جو شخص انسانوں کے درمیان رہتا ہو وہ بولنا بند کرنے کی طاقت تو نہیں رکھتا۔ حضرت نے فرمایا اگر بولنا ضروری ہے پھر یا تو حق بات کہو یا پھر خاموش ہی رہو۔ اس نے عرض کیا کچھ مزید فرمائیے۔ حضرت نے فرمایا: غصہ چھوڑ دو۔ اس نے عرض کیا حضرت میرے اختیار کے بغیر ہی مجھ پر غصہ طاری ہو جاتا ہے۔ فرمایا: اگر غصہ آ بھی جائے تو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ کو روک کر رکھو۔ اس نے عرض کیا مزید کچھ ارشاد ہو۔ حضرت نے فرمایا لوگوں سے میل ملاقات ترک کر دو۔ اس نے عرض کیا جو شخص انسانوں کے درمیان رہتا ہو وہ کیسے ان سے میل ملاقات ترک کر سکتا ہے؟ حضرت نے فرمایا اگر تمھیں ان سے ملاقات کرنی ہی ہے تو پھر سچی بات کرو اور امانت ادا کرو۔ (۱)

☆ معاذ بن سعید سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ہم امام عطاء بن ابی رباح کی مجلس میں موجود تھے کہ ایک شخص نے کوئی بات کی جس کے دوران کسی دوسرے شخص نے اس کی بات کاٹ دی۔ امام عطاء فرمانے لگے: سبحان اللہ! یہ کیسے اخلاق ہیں، یہ کیسے اخلاق ہیں۔ میں (کئی بار) کسی شخص کی بات سنتا ہوں تو اس بات سے بہتر طریقے سے واقف ہوتے ہوئے بھی یوں پوری توجہ سے سنتا ہوں جیسے مجھے کچھ اندازہ ہی نہ ہو۔ (۲)

☆ عثمان بن الأسود سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے امام عطاء سے عرض کیا: کوئی آدمی کسی مجلس کے سامنے سے گزرے اور اہلِ مجلس میں سے کوئی اس پر تہمت لگا دے، تو کیا اس مجلس میں بیٹھے کسی آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ اس شخص کو اس کی اطلاع دے؟ حضرت نے فرمایا: نہیں، مجلس امانت ہوتی ہے۔ (۳)

☆ خلف بن تمیم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن محمد نے امام اوزاعی سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا: امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ہمیں ایک خط لکھا جو میرے اور امام مکحول کے سوا کسی کو یاد نہیں۔ (خط کا متن تھا:) اما بعد! بے شک جو شخص موت کو اکثر یاد رکھے گا دنیا کی تھوڑی مقدار پر بھی راضی ہو جائے گا۔ اور جو شخص اپنی باتوں کو بھی اپنے اعمال میں شمار کرتا ہوگا اس کا کلام بہت کم ہو جائے گا، سوائے اس کلام کے جو نفع عام کے لیے ہو۔ والسلام!۔ (۴)

☆ یعلی بن عبید سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ہم محمد بن سوقہ کے پاس گئے تو انھوں نے فرمایا: کیا میں تمھیں ایک بات سناؤں؟ جس نے مجھے تو نفع دیا ہے شاید تمھارے لیے بھی فائدے کا سبب بنے۔ پھر فرمانے لگے کہ امام عطاء بن ابی رباح نے ہم سے ارشاد فرمایا: میرے بھتیجو! تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ کلامِ فضول کو ناپسند کرتے تھے۔ اور ان کے نزدیک ہر کلام فضول تھا، ماسوائے: کتاب اللہ تعالی کے، کہ اس کی تلاوت کی جائے، یا نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے، یا پھر اپنی روزمرہ زندگی کے کام کاج سے متعلق کوئی ضرورت کی ناگزیر بات کر لی جائے۔ کیا تمھیں یہ بات تسلیم نہیں ہے کہ

تم پر محافظ (فرشتے) مقرر کیے گئے ہیں جو معزز ہیں اور (سب اعمال کو) لکھنے والے ہیں؟ ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب بیٹھنے والا ہے؟ جس بات کا بھی کوئی تلفظ کرتا ہے اس پر ایک چوکس نگہبان مقرر ہے؟ کیا تم میں سے کسی کو اس بات پر شرم نہیں آتی کہ تمھارے کسی دن کی باتوں کا صحیفہ جب کھولا جائے گا تو اس میں سے اکثر ایسی ہوں گی جو نہ دین کے کسی معاملے سے متعلق ہوں گی نہ دنیا کے۔(۵)

☆ فیض بن وثیق کہتے ہیں میں نے حضرت فضیل کو سنا آپ فرمارہے تھے: اگر تمھارے لیے ممکن ہو تو نہ محدّث بننا، نہ قاری اور نہ متکلم (خطیب و مناظر یا علم کلام کا ماہر)۔ اس لیے کہ اگر تم مؤثر گفتگو کرنے والے ہوئے تو لوگ کہیں گے: کیا فصیح و بلیغ شخص ہے، کیا عمدہ باتیں کرتا ہے، کیسی اچھی آواز ہے...... تمھیں یہ سب اچھا لگے گا اور تم پھول جاؤ گے۔ اور اگر تم غیر مؤثر گفتگو کرنے والے سادہ آواز والے ہوئے تو لوگ کہیں گے یہ نہ تو اچھی باتیں کرتا ہے اور نہ اس کی آواز ہی کچھ زیادہ اچھی ہے...... تمھیں اس پر غم ہوگا اور تم پر شاق گزرے گا۔ (دونوں صورتوں میں) تم پکے ریاکار بن جاؤ گے۔ اور (اگر تمھارا معاملہ ایسا ہو کہ) جب تم بیٹھ کر بات کرو اور تمھیں پرواہ نہ ہوتی ہو کہ کون تمھاری مذمت کرتا ہے اور کون تعریف...... تب تمھیں بات کرنے کا حق ہے۔(۶)

☆ حضرت فضیل بن عیاض سے پوچھا گیا: زہد کیا ہے؟ فرمایا: تھوڑے پر راضی رہنا۔ عرض کیا گیا: پرہیز گاری کیا ہے؟ فرمایا: حرام باتوں سے بچنا۔ عرض کیا گیا: عبادت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: فرائض کو ادا کرنا۔ عرض کیا گیا: تواضع کیا ہے؟ فرمایا: حق کے سامنے جھک جانا۔ پھر ارشاد فرمایا: سب سے مشکل پرہیز گاری زبان کی پرہیز گاری ہے۔

امام ذہبی اس پر فرماتے ہیں: بالکل بجا ارشاد فرمایا۔ کئی بار ایسے لوگ نظر آئیں گے جو اپنے کھانے پینے، لباس اور معاملات میں بہت پرہیز و احتیاط برتنے والے ہوں گے، مگر جب گفتگو کا سلسلہ دراز ہوتا ہوگا...... پھر یا تو وہ سچ بولنے کی کوشش کریں گے پر پورا سچ نہ بولیں گے، یا سچ تو بولیں گے مگر بات ایسے پہلو سے اور اس طرح سجا سنوار کر کریں گے تا کہ ان کی خوش گفتاری کی تعریف کی جائے۔ یا اپنی بہتر حالت کو ظاہر کریں گے تا کہ ان کی تعظیم کی جائے۔ یا پھر جہاں بولنے کی ضرورت ہوگی عین اسی مقام پر خاموش رہیں گے تا کہ ان کی تعریف کی جائے۔ جب کہ اس سب کا ایک ہی علاج ہے کہ جماعت سے ادا کی جانے والی عبادات کے سوا لوگوں کے ساتھ مجلس بازی سے دور رہا جائے۔(۷)

☆ احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ الانطا کی نے بیان کیا کہ (ایک بار) حضرت فضیل بن عیاض اور امام سفیان ثوری ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور آپس میں مذاکرہ کیا، امام سفیان پر رقت طاری ہوگئی اور رونے لگے۔ پھر فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ یہ مجلس ہمارے لیے رحمت و برکت کا سبب بنے گی۔ حضرت فضیل نے فرمایا: لیکن اے ابو عبداللہ! مجھے خدشہ ہے کہ ہمارے لیے یہ مجلس شدید نقصان دہ ہوگی۔ کیا ایسا نہیں کہ آپ نے (میری خاطر) اپنی بہترین باتیں سنائیں اور میں نے (آپ کی خاطر) اپنی بہترین باتیں چن چن کر سنائیں، پس آپ میرے لیے سجے اور میں آپ کے لیے بنا سنورا؟ امام سفیان رو پڑے اور فرمایا: اللہ آپ کو زندہ رکھے آپ نے مجھے زندہ کر دیا۔(۸)

☆ ابوبکر بن عیاش سے روایت ہے، فرمایا کہ: خاموشی کا سب سے کم فائدہ یہ ہے کہ اس میں سلامتی ہے، اور اس سے بڑی عافیت کیا

ہوسکتی ہے؟ اور گفتگو کا سب سے کم نقصان یہ ہے کہ اس میں شہرت و مشہوری ہے، اور اس سے بڑی آزمائش کیا ہوسکتی ہے؟ (۹)

☆ عبایۃ بن کلیب سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن سماک کو سنا آپ فرمارہے تھے: تمھارا درندہ تمھارے جبڑوں کے درمیان ہے جس کے ذریعے تم اپنے سامنے سے گزرنے والے ہر راہگیر کو کھاتے ہو۔ تم نے گھروں میں رہنے والوں کو ان کے گھروں کے اندر ستایا یہاں تک کہ اب تم قبروں میں رہنے والوں کے درپئے ہوئے ہو، تمھیں ان کی بوسیدگی اور پراگندہ حالی پر ترس نہیں آتا اور یہاں بیٹھ کر تم ان کی کفن چوری کرتے ہو۔ تمھارے لیے مناسب یہ تھا کہ کسی کے بارے میں (بری) بات کرنے سے تین باتوں کی وجہ سے رک جاتے۔ ایک تو یہ کہ تم کسی کے ایسے (عیب والے) معاملے کا ذکر کرو جو خود تم میں بھی پایا جاتا ہو، ایسے میں تمھارا کیا گمان ہے اپنے رب کے بارے میں جب تم اپنے بھائی کا وہ عیب کھولتے ہو جو تم میں بھی موجود ہے؟ یا شاید تم اپنے بھائی کا کوئی ایسا معاملہ ذکر کرو کہ تم میں سے اس سے بڑا اور شدید تر معاملہ پایا جاتا ہو، یہ تو اللہ تعالیٰ کے تم سے ناراض ہونے کا زیادہ شدید اور زیادہ پکا سبب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم اپنے بھائی کے کسی ایسے معاملے کا ذکر کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں بچا رکھا ہے۔ تو کیا تم اللہ کی طرف سے بچائے جانے کا یہی بدلہ دے رہے ہو؟ کیا تم نے سنا نہیں اپنے بھائی پر رحم کرو اور اس کی تعریف کرو جس نے تم پر رحم کیا (یعنی اللہ تعالیٰ)۔ (۱۰)

☆ بکر بن منیر کہتے ہیں میں نے حضرت امام ابوعبداللہ بخاری کو سنا وہ فرمارہے تھے کہ مجھے امید ہے جب میں اللہ تعالیٰ سے ملوں گا تو مجھ سے اس بات کا حساب نہیں لیں گے کہ میں نے کسی کی غیبت کی ہے۔

امام ذہبی نے فرمایا: اللہ امام بخاری پر رحم فرمائے، ان کی یہ بات بالکل درست ہے۔ جو شخص جرح و تعدیل کے باب میں ان کے کلام کا مطالعہ کرے گا اسے لوگوں کے بارے میں کچھ کہنے سے ان کی احتیاط و پرہیزگاری اور کسی کو ضعیف ٹھہرانے میں ان کی انصاف پسندی کا اندازہ ہوگا۔ کیونکہ اکثر اوقات ان کی جرح یہی ہوتی ہے کہ: اس کی حدیثیں غیر معروف ہیں، اس کے بارے میں ائمہ خاموش ہیں، اس میں دیکھنا پڑے گا، وغیرہ وغیرہ۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ فرمائیں: فلاں شخص کذاب ہے، یا فلاں شخص حدیثیں گھڑتا تھا۔ حتی کہ انھوں نے فرمایا جب میں کسی کے بارے میں یہ کہوں کہ اس کی حدیثوں میں دیکھنا پڑے گا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کمزور راوی ہے اور اس پر مختلف الزامات ہیں۔ امام ذہبی نے فرمایا کہ یہ مطلب ہے امام بخاری کے قول کا کہ ''اللہ تعالیٰ مجھ سے کسی کی غیبت کرنے پر حساب نہیں فرمائیں گے''۔ اور بلاشبہ یہ احتیاط کی انتہا ہے۔ (۱۱)

☆ حضرت سہل بن عبداللہ تستری سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: صدیقین کے اخلاق میں سے ہے کہ وہ جا و بے جا اللہ کے نام کی قسم نہیں کھاتے، نہ وہ غیبت کرتے ہیں نہ ان کی مجلس میں غیبت کی جاتی ہے، نہ وہ پیٹ بھر بھر کے کھاتے رہتے ہیں، جب وہ وعدہ کرتے ہیں تو اس کے خلاف نہیں کرتے۔ اور وہ لطیفے بازی تو بالکل نہیں کرتے۔ (۱۲)

حواشی:

(۱): صفۃ الصفوۃ: ۱/۵۴۹۔ (۲): صفۃ الصفوۃ: ۲/۲۱۴۔ (۳): مصدر سابق۔ (۴): سیر اعلام النبلاء: ۵/۱۳۳۔ (۵): صفۃ الصفوۃ: ۲/۲۱۳۔ (۶): سیر اعلام النبلاء: ۸/۴۳۳۔ (۷) سیر اعلام النبلاء: ۸/۴۳۴۔ (۸): سیر اعلام النبلاء: ۸/۴۳۹۔ (۹): سیر اعلام النبلاء: ۸/۵۰۱۔ (۱۰): صفۃ الصفوۃ: ۳/۱۷۶۔ (۱۱): سیر اعلام النبلاء: ۱۲/۴۳۹، ۴۴۱۔ (۱۲): سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۳۳۲

بے نمازی!

شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ

منافق کی پہچان کئی طرح ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی منافق کی ایک پہچان بتائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ قریش کو سب سے پہلے اونچی آواز سے قرآن سنانے والے وہی تھے۔ اس کے لیے انھیں بڑے سخت امتحان سے گزرنا پڑا، لیکن ایمان کے آگے امتحان کی پروا کسے تھی۔ جب مقامِ ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر انھوں نے قریش کو سورۂ رحمٰن سنائی تو پہلے وہ ایک دوسرے سے پوچھتے رہے کہ ''یہ کیا پڑھ رہا ہے''؟ کسی نے کہا...... یہ وحی ہے جو اِن کے صاحب پر نازل ہوتی ہے۔ بس اتنا سننا تھا کہ مشرکین اُن پر ٹوٹ پڑے اور اُن کے منہ پر اتنا مارا، اتنا مارا کہ منہ سوج کر کُپّا ہو گیا اور خون پانی کی طرح بہنے لگا۔

جب اہلِ ایماں میں واپس پہنچے تو کسی نے اُن سے کہا کہ...... ابنِ اُمِ عبد! اسی لیے ہم تمھیں منع کرتے تھے۔ اُسدالغابہ میں ہے کہ جواب دیا...... یہ تو کچھ بھی نہیں۔ تم لوگ کہو تو میں کل پھر اُنہیں اللہ کا کلام سنا کر آؤں۔ حالت یہ تھی کہ مار پڑنے کے باوجود رکتے نہ تھے۔ برابر اللہ کا کلام سنائے جاتے تھے۔ جب سورۃ تمام ہوئی تب ہی رکے۔ مار پٹائی کی ذرّہ بھر پروانہ کی۔ جب بھی اُس دن کو یاد کرتے تو کہتے تھے کہ...... مشرکینِ مکہ اس دن سے زیادہ اُن کی نظروں میں کبھی ذلیل نہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ...... منافق نماز سے بھاگتا ہے، ورنہ ہم نے کسی مسلمان کو نماز سے جی چراتے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بعض ایسے بوڑھے اور کمزور حضرات بھی تھے جو دو آدمیوں کے سہارے آتے اور جماعت میں کھڑے ہو جاتے تھے۔

بزرگوں کا ارشاد ہے کہ...... صبح اور عشاء میں حاضری ایمان کی نمایاں نشانی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بعض صراحتوں کے مطابق صبح کا دوگانہ فرض تمام رات نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

اللہ کے رسولِ آخریں (علیہ الصلاۃ والسلام) کا ارشاد ہے کہ رب العزت کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل وقت پر نماز ادا کرنا ہے۔ ایک اور ارشادِ گرامی کا مطلب ہے کہ...... بندوں کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کی پوچھ ہوگی۔ تارکِ نماز کا ایمان باقی نہیں رہتا، اس لیے اُس کی گواہی بھی قابلِ قبول نہیں۔

نماز ارکانِ ایمان کا سب سے بڑا، سب سے اہم اور سب سے زیادہ مفید رکن ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ اسلامی مملکت کے کاموں میں سب سے اہم نظامِ صلوٰۃ ہے۔ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، اپنے دین کو محفوظ

رکھتے ہیں۔ جونماز کھودیتے ہیں وہ نماز کی برکتوں ہی سے محروم نہیں رہتے بلکہ اور بھی سب کچھ کھو دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صاف کہتے تھے کہ جس نے نماز چھوڑ دی اس کے لیے اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

حکم ہے کہ چھ سات سال کی عمر سے بچوں کو نماز کی طرف مائل کرو...... جب وہ دس برس کی عمر کو پہنچ جائیں تو نماز نہ پڑھنے والے بچوں پر سختی کرنے اور انھیں مارنے کا حکم ہے۔ ساری بات گھر کے ماحول اور ماں باپ کے توجہ کی ہوتی ہے۔

ابنِ اثیر نے اپنی تاریخ میں ہشام بن عبدالملک کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے شہزادوں پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ خاص طور پر یہ دیکھتا تھا کہ جمعہ کی نماز میں وہ مسجد میں حاضر ہوتے ہیں یا نہیں۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے ایک بیٹے کو نماز سے غیر حاضر پایا۔ مسجد سے لوٹا تو سب سے پہلے اُسے بلا کر پوچھا کہ...... جمعہ چھوڑنے کی وجہ؟ اس نے کہا...... وقت پر سواری نہیں پہنچی تھی۔ خلیفہ نے پوچھا کیا مسجد تک پیدل نہیں جاسکتے تھے؟ کچھ دیر خاموشی رہی تو حکم دیا کہ ایک سال تک اس کے لیے سواری بند! یہ نماز نہ پڑھنے کی ادنیٰ سزا ہے۔ غالبًا یہ شہزادہ دس برس سے کم عمر کا تھا۔

بچوں کو نماز کا پابند بنانا ماں باپ کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح اپنے ماتحتوں کو نماز کا پابند بنانا حاکم کی ذمہ داری ہے۔ جو اسے بھول جاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پاس جواب دہ ہیں۔ شوہر اور بیوی میں یہ ذمہ داری دونوں کی ہے کہ ایک دوسرے کو نماز کا پابند بنائیں، نماز نہ پڑھنے والی عورت کو طلاق دینے کا حکم ہے، چاہے اس کا شوہر مہر دینے سے عاجز ہو۔

لین دین اور کاروبار کی وجہ سے اگر کسی نے نماز ترک کر دی تو اس کا حشر رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے ساتھ ہوگا۔ جس نے حکومت اور اقتدار کی کارروائیوں میں پھنس کر نماز چھوڑ دی، وہ فرعون کا ساتھی بنایا جائے اور روپے پیسے کی افراط کی وجہ سے نماز کو بھول جانے والا قیامت میں قارون کی ساتھ اٹھے گا۔ (ماخوذ: طوبی)

موبائل: 0302-8630028
فون: 061-4552446
قائم شدہ 1968ء
سلیم اینڈ کمپنی
ہمارے ہاں ہمہ قسم الیکٹرونکس، اے سی، فریزر، ایل سی ڈی، ایل ای ڈی وغیرہ
خاص طور سے دفتری اور تعلیمی فرنیچر، گیس اور کچن کے آلات وغیرہ بازار سے بارعایت خریدیں
بہار چوک، معصوم شاہ روڈ، ملتان
E-mail: wajidali980@hotmail.com
saleemco1@gmail.com

علامہ محمد اقبالؒ کا عید الفطر کے اجتماع سے خطاب

مولانا زاہد الراشدی

وفاقی وزیر سائنسی امور فواد چودھری صاحب کا کہنا ہے کہ پاکستان بنانے والے قائدین مذہبی لوگ نہیں تھے اور نہ ہی مذہبی راہنماؤں کا پاکستان بنانے میں کوئی کردار ہے۔ باقی تمام باتوں سے قطع نظر مفکر پاکستان علامہ محمد اقبالؒ کا ایک خطاب پیش کیا جا رہا ہے جو انہوں نے ۹ فروری ۱۹۳۲ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں عید الفطر کے اجتماع میں ارشاد فرمایا تھا اور انجمن اسلامیہ لاہور نے اسے چھپوا کر تقسیم کیا تھا۔ اس خطبہ کا متن عبد الواحد معینی اور عبد اللہ قریشی کے مرتب کردہ ''مقالات اقبالؒ'' سے لیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بانیان پاکستان کی مذہبیت اور تحریک پاکستان کے حوالہ سے ان کے دینی مقاصد کا معیار اور دائرہ کیا تھا۔ خدا کرے کہ ہم علامہ محمد اقبالؒ اور قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے خطبات و بیانات کو سنجیدگی کے ساتھ پڑھیں اور ان سے اپنی قومی پالیسیوں میں راہنمائی حاصل کرنے کی کوئی عملی سبیل پیدا کریں، آمین یا رب العالمین۔

''قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُترا۔ لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں۔ تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے۔''

یہی ارشادِ خداوندی ہے جس کی تعمیل میں آپ نے ماہِ رمضان کا پورا مہینہ روزے رکھے اور اس اطاعتِ الٰہی کی توفیق پانے کی خوشی میں آج بحیثیت قوم خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکر بجالانے کے لیے جمع ہوئے۔ بیشک مسلم کی عید اور اُس کی خوشی اگر کچھ ہے تو یہ کہ وہ اطاعتِ حق یعنی عبدیت کے فرائض کی بجا آوری میں پورا نکلے۔ اور قومیں بھی خوشی کے تیوہار مناتی ہیں مگر سوائے مسلمانوں کے اور کون سی قوم ہے جو خدائے پاک کی فرمانبرداری میں پورا اترنے کی عید مناتی ہو؟

مؤرخین کے بیان کے مطابق سنہ ۲ ہجری میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے، صدقہ عید الفطر کا حکم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال جاری فرمایا، حضورؐ نے پہلے ایک خطبہ دیا جس میں اس صدقہ کے فضائل بیان فرمائے پھر صدقہ کا حکم دیا، عید الفطر کی نماز با جماعت عیدگاہ میں اسی سال ادا فرمائی، سنہ ۲ ہجری سے پہلے عید کی نماز نہیں ہوتی تھی۔

اسلام کے ارکان یعنی توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جب نبی اُمی کی زبانِ پاک سے خالقِ اکبر نے بندوں کی اصلاح و فلاح کے لیے ہدایت فرمائے تو مقصود یہ تھا کہ ان کی پابندی سے ''مسلم'' بحیثیت ''فرد'' وہ انسان بن سکے جسے وحی خداوندی ''احسن التقویم'' کے نام سے تعبیر کرتی ہے اور ''ملّتِ اسلامیہ'' وہ ''ملّت'' بن جائے جو قرآن پاک کے الفاظ

کے مطابق دنیا کی بہترین امت ہو اور اپنے تمام معاملات میں اعتدال اور میانہ روی کے اصول کو سامنے رکھنے والی ہو۔ اسلام کا ہر رکن انسانی زندگی کی صحیح نشوونما کے لیے اپنے اندر ہزار ہا ظاہری اور باطنی مصلحتیں رکھتا ہے۔ مجھے اس وقت صرف اسی ایک رُکن کی حقیقت کے متعلق آپ سے دو ایک باتیں کہنی ہیں جسے ''صوم'' کہتے ہیں اور جس کی پابندی کی توفیق کے شکرانے میں آج آپ عید منا رہے ہیں۔ روزے پہلی اُمتوں پر بھی فرض تھے گو اُن کی تعداد وہ نہ ہو جو ہمارے روزوں کی ہے اور فرض اس لیے قرار دیے گئے کہ انسان پرہیزگاری کی راہ اختیار کرے۔

خدا نے فرمایا: ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے تاکہ تمھیں پرہیزگاری ملے۔''

گویا روزہ انسان کو پرہیزگاری کی راہ پر چلاتا ہے، اس سے جسم اور جان دونوں تزکیہ پاتے ہیں۔ یہ خیال کہ روزہ ایک انفرادی عبادت ہے، صحیح نہیں بلکہ ظاہر و باطن کی صفائی کا یہ طریق، یہ ضبطِ نفس، یہ حیوانی خواہشوں کو اپنے بس میں رکھنے کا نظام اپنے اندر ملّت کی تمام اقتصادی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح کے مقاصد پوشیدہ رکھتا ہے۔ وہ فائدے جو ایک ''فرد'' کو روزہ رکھنے سے حاصل ہوتے ہیں، اس صورت میں بھی ہو سکتے تھے کہ روزے بجائے مسلسل ایک مہینہ رکھنے کے کبھی کبھی رکھ لیے جاتے، یا بجائے رمضان میں رکھنے کے سال کے اور مہینوں میں رکھ لیے جاتے۔ اگر محض فرد کی اصلاح اور اُس کی روحانی نشوونما پیشِ نظر ہوتی تو بیشک یہ ٹھیک تھا، لیکن فرد کے علاوہ تمام ''ملّت'' کے اقتصادی اور معاشرتی تزکیہ کی غرض بھی شارعِ برحق کے سامنے تھی۔

آج کی عید ''عیدالفطر'' کہلاتی ہے، پیغمبرِ خدا نے جب عید کے لیے عیدگاہ میں اکٹھا ہونے کا حکم دیا تو ساتھ ہی صدقہ عیدالفطر ادا کرنے کا حکم بھی دیا۔ تعجب نہیں کہ عید کا دن مقرر کرنے کی اصل غرض ہی شارع علیہ الصلوٰۃ کے نزدیک صدقہ عیدالفطر کا جاری کرنا ہو۔ حق یہ ہے کہ زکوٰۃ اور اصولِ تقسیمِ وراثت کے بعد تیسرا طریق اقتصادی اور معاشرتی مساوات قائم کرنے کا جو اسلام نے تجویز کیا ''صدقات'' کا تھا، اور ان صدقات میں سب سے بڑھ کر صدقۂ فطر کا، اس لیے کہ یہ صدقہ ایک مقررہ دن پر تمام قوم کو ادا کرنا ہوتا ہے۔

رمضان کا مہینہ آپ نے اِس اہتمام سے بسر کیا ہے کہ کھانے پینے کے اوقات کی پابندی سیکھ لی، اپنی صحت درست کر لی، آیندہ گیارہ مہینے کئی بیماریوں سے محفوظ رہنے کے قابل اپنے آپ کو بنا لیا، کفایت شعاری سیکھی، رزق کی قدر و قیمت سیکھی۔ یہ سب ذاتی فائدے تھے۔ صیام کا قومی اور ملّی فائدہ یہ ہے کہ صاحبِ توفیق مسلمانوں کے دل میں اپنی قوم کے مفلس اور محروم افراد کی عملی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو اور صدقہ فطر ادا کرنے سے قوم میں ایک گونہ اقتصادی اور معاشرتی مساوات قائم ہو۔

حکم یہ ہے کہ عید کی نماز میں شرکت سے پہلے ہر صاحبِ توفیق مسلمان صدقہ فطر ادا کر کے عیدگاہ میں آئے۔ اس سے مقصود یہ نہیں کہ اقتصادی اور معاشرتی مساوات صرف ایک آدھ دن کے لیے قائم ہو جائے بلکہ ایک مہینہ کا متواتر ضبطِ

نفس تم کو اِس لیے سکھایا گیا ہے کہ تم اس اقتصادی اور معاشرتی مساوات کو قائم رکھنے کی کوشش تمام سال کرتے رہو۔

باقی رہا یہ امر کہ روزے ماہِ رمضان کے ساتھ ہی کیوں مختص کیے جائیں۔ سو واضح رہنا چاہیے کہ اسلام نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اسرار کو مدِ نظر رکھ کر "صیام'' کے زمانی تسلسل کو ضروری سمجھا ہے۔ اس تسلسل کے لیے وقت کی تعیین لازم تھی اور چونکہ اسلام کا اصلی مقصود انسانوں کو احکامِ الٰہی کی فرمانبرداری میں پختہ کرنا تھا، اس لیے صیام کو اِس مہینہ کے ساتھ مختص کیا گیا جس میں احکامِ الٰہی کا نزول شروع ہوا تھا۔ بالفاظِ دیگر یوں کہو کہ مسلمانوں کو ہر سال پورا مہینہ کامل تزکیۂ نفس کے ساتھ نزولِ قرآنِ حکیم کی سالگرہ منانے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ احکامِ الٰہی کی حرمت و تقدیس ہمیشہ مدِّ نظر رہے اور نمازِ تراویح پر کاربند ہو کر قوم کے ہر فرد کو اجتماعی حیات کا قانون عملاً از بر ہو جائے۔

اصل بات قوم کی اقتصادی اور تمدّنی زندگی کی مجموعی اصلاح کے متعلق تھی۔ قرآن میں جہاں مسائلِ ''صیام'' کے ذکر کے بعد یہ فرمایا کہ: ''یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جاؤ۔ اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے لوگوں سے اپنی آیتیں کہ انہیں پرہیزگاری ملے۔''

وہاں ساتھ ہی ملحق بطور ان تمام کے نتیجہ کے یہ حکم بھی دیا: ''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لیے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھا لو جان بوجھ کر۔''

روزہ رکھ کر مفلسوں سے محض ہمدردی کا احساس پیدا کر لینا کافی نہ تھا۔ عید کے دن غربا کو دو چار دن کا کھانا دے دینا کافی نہ تھا۔ طریق وہ اختیار کرنا مقصود تھا جس سے مستقل طور پر دنیاوی مال و متاع سے انتفاع کے قواعد اِس طور پر قائم ہوں کہ جہاں تقسیمِ وراثت اور زکوٰۃ سے ملّتِ اسلامیہ کے مال و متاع میں ایک گونہ مساوات پیدا ہو، وہاں اس مساوات میں ایک دوسرے کے اموال میں ناجائز تصرّف سے کسی قسم کا خلل نہ آئے۔ روزوں کے التزام سے صرف انفرادی روحانیت کی ترقی یا زیادہ سے زیادہ انسانوں کے ساتھ ایک ہنگامی ہمدردی ہی مقصود نہیں بلکہ شارع کی نظر اس بات پر ہے کہ تم اپنے اپنے حلال کے کمائے ہوئے مال پر قناعت کرو اور دوسروں کے کمائے ہوئے مال کو باطل طریقوں سے کھانے کی کوشش نہ کرو۔ اس باطل طریق پر دوسروں کا مال کھانے کی بدترین روش قرآن کے نزدیک یہ ہے کہ مال و دولت کے ذریعہ حکام تک رسائی حاصل کی جائے اور ان کو رشوتوں سے اپنا طرفدار بنا کر اوروں کے مالوں کو اپنے قبضہ میں لایا جائے۔ مذکورہ بالا آیت میں ''اثم'' کے معنی بعض مفسرین نے جھوٹی گواہی وغیرہ کے لیے ہیں، علمائے قرآن نے حکام سے مراد مسلمانوں کے اپنے مفتی اور سلطان لیے ہیں۔ جب اپنے فقیہوں اور قاضیوں کے پاس جھوٹے مقدمے بنا کر لے جانے کو خدا نے مذموم قرار دیا ہو تو سمجھ لو کہ غیر اسلامی حکومتوں کے حکام کے پاس اس قسم کے مقدمات لے جانا کس قدر ناجائز ہے۔

مہینہ بھر روزے رکھنے کی آخری غرض یہ تھی کہ آئندہ تمام سال اس طرح ایک دوسرے کے ہمدرد اور بھائی بن کر

رہو کہ اگر اپنا مال ایک دوسرے کو بانٹ کر نہیں دے سکتے تو کم سے کم ''حکام'' کے پاس کوئی مالی مقدمہ اس قسم کا نہ لے کر جاؤ جس میں اُن کو رشوت دے کر حق وانصاف کے خلاف دوسروں کے مال پر قبضہ کرنا مقصود ہو۔ آج کے دن سے تمہارا عہد ہونا چاہیے کہ قوم کی اقتصادی اور معاشرتی اصلاح کی جو غرض قرآن حکیم نے اپنے ان احکام میں قرار دی ہے، اُس کو تم ہمیشہ مدّ نظر رکھو گے۔

مسلمانانِ پنجاب اس وقت تقریباً سوا ارب روپے کے قرض میں مبتلا ہیں اور اس پر ہر سال تقریباً چودہ کروڑ روپیہ سُود ادا کرتے ہیں۔ کیا اس قرض اور اس سود سے نجات کی کوئی سبیل سوائے اس کے ہے کہ تم احکامِ خداوندی کی طرف رجوع کرو، اور مالی اور اقتصادی غلامی سے اپنے آپ کو رہا کراؤ؟ تم اگر آج فضول خرچی چھوڑنے کے علاوہ مال اور جائیداد کے جھوٹے اور بلاضرورت مقدمے عدالتوں میں لے جانا چھوڑ دو تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ چند سال کے اندر تمہارے قرض کا کثیر حصہ از خود کم ہو جائے گا اور تم تھوڑی مدّت کے اندر قرض کی غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کر لو گے۔ نہ صرف یہ کہ مالی مقدمات کا ترک تمہیں اِس قابل بنا دے گا کہ تم وہی روپیہ جو مقدموں اور رشوتوں اور وکیلوں کی فیسوں میں برباد کرتے ہو اسی سے اپنی تجارت اور اپنی صنعت کو فروغ دے سکو گے۔

کیا اب بھی تم کو رجوع الی القرآن کی ضرورت محسوس نہ ہوگی اور تم عہد نہ کر لو گے کہ تمام دنیاوی امور میں شرعِ قرآنی کے پابند ہو جاؤ گے؟ کس انتباہ کے ساتھ رسولِ پاکؐ نے مسلمانوں کو پکار کر کہا تھا کہ: ''دیکھو قرض سے بچنا، قرض رات کا اندوہ اور دن کی خواری ہے۔''

اِس خطبے میں مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے صرف اقتصادی پہلو ہی پر نظر ڈالی گئی ہے، شاید عیدالاضحیٰ کے موقع پر اسی قسم کے ایک خطبے میں اسلامی زندگی کے ایک اور اہم پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ فی الحال میں حضورؐ سرورِ کائنات کی ایک حدیث پر اِس خطبے کو ختم کرتا ہوں جو ایک نہایت لطیف پیرایہ میں رشد و ہدایت کی تمام شاہ راہوں کو انسان پر کھول دیتی ہے:

''مجھے میرے رب نے نو (۹) باتوں کا حکم دیا ہے۔ ظاہر و باطن میں اخلاص پر کاربند رہنا۔ غضب و رضا دونوں حالتوں میں انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ فقر و تونگری میں میانہ روی۔ جو شخص مجھ پر زیادتی کرے اُس کو معاف کر دوں۔ جو مجھ سے قطعِ رحم کرے میں اُس سے صلہ رحم کروں۔ جو مجھے محروم کرے میں اُس کو اپنے پاس سے دُوں۔ میرا بولنا ذکرِ الٰہی کے لیے ہو۔ میری خاموشی غور و فکر کے لیے ہو، اور میرا دیکھنا عبرت کے لیے ہو۔''

''امتیازی سلوک''

احسان کوہاٹی (سیلانی کے قلم سے)

سیلانی کی ساجدہ تیمور سے پہلے کبھی بات ہوئی تھی نہ سوشل میڈیا پر رابطہ ہوا، مگر اس کا کہنا تھا کہ وہ بطور کالم نگار سیلانی کو جانتی ہے اور اسکی سوچ سے اختلاف کے باوجود اسکے کالم پڑھتی رہی ہے، ساجدہ تیمور نے بتایا کہ وہ گیارہ برس پہلے برطانیہ منتقل ہوئی تھی اور اب برسٹل میں رہتی ہے، ساجدہ تیمور کے مطابق وہ ایک این جی او سے منسلک ہے اور اسکا کام متنازعہ امور پر عوامی آراء مرتب کرنا ہے، ساجدہ کا چند روز پہلے اسے واٹس اپ پر پیغام ملا تھا کہ اسے سیلانی سے دس منٹ درکار ہیں۔

''میں میاں چنوں کی رہنے والی ہوں اور کراچی میں اپنے بھائی کے پاس پانچ سال رہی ہوں وہیں آپکے کالم بھی پڑھا کرتی تھی، آپکے کالم میں شدت پسندی نہ ہوتی تو زیادہ اچھے ہوتے''۔

جواب میں سیلانی نے برجستہ کہا ''جو بات درست لگےاس پر شدت سے ڈٹ جانا شدت پسندی کیسے ہوسکتی ہے؟''۔

''لیکن اپنے موقف کا اظہار نرمی سے بھی تو کیا جاسکتا ہے''۔

''ہر جگہ نرمی نہیں چلتی، ماں سے زیادہ دنیا میں محبت کرنے والا کون ہوتا ہے لیکن آپ نے اور میں نے بھی ماں کی جوتیاں کھا رکھی ہوں گی کہیں کہیں سوٹیاں بھی ضروری ہوتی ہیں'' سیلانی کی اس بات پر ساجدہ ہنس پڑی اور کہنے لگی ''سر! پاکستان میں اقلیتوں کے حوالے سے آپکی کیا رائے ہے، انہیں دی گئی آزادی سے آپ مطمئن ہیں؟''۔

''پاکستان میں اکثریت پر بات ہونی چاہیے بیچاری اکثریت کو کوئی نہیں پوچھتا اقلیت کے لیے تو سات سمندر پار سے بھی پوچھ گچھ ہوجاتی ہے۔۔۔میرے خیال میں پاکستان میں اقلیتیں اتنی ہی نظر انداز ہیں جتنی کہ اکثریت، اس میں کوئی فرق نہیں''۔

''سر میری مراد مذہبی آزادی سے ہے''۔

''مجھے نہیں معلوم کہ پاکستان میں کہیں کوئی مندر، گرجا، گوردوارہ بند کیا گیا ہو یا انتظامیہ کی جانب سے گرایا گیا ہو کم از کم بیس سے تیس برسوں میں تو ایسا کوئی واقعہ رپورٹ نہیں ہوا؟ ہاں مساجد شہید کی جانے کی اطلاعات خبریں بنتی رہی ہیں، کچھ عرصہ پہلے ہی ہل پارک کراچی میں مسجد شہید کی گئی تھی اس کے برعکس کراچی میں عیسائی برادری کے بڑے بڑے چرچ سلامت ہیں اور انہیں سلامت رہنا چاہیے وہاں بلا روک ٹوک عبادت ہوتی ہے، کراچی کے قلب صدر میں سینٹ پیٹرکس چرچ ہے جہاں ایسا رش ہوتا ہے کہ ٹریفک سنبھالنا مشکل ہوجاتا ہے، صدر ہی میں اینگلو انڈینز رہتے ہیں جنہیں گوانیز کہا جاتا ہے کی خواتین اسکرٹس اور پینٹ شرٹ پہنتی ہیں اور اپنے بوائے کٹ ہیئر اسٹائل سے الگ سے پہچانی جاتی ہیں میں طویل عرصہ کرائم رپورٹر رہا ہوں اور میں نے گوانیز پر حملے کا کوئی واقعہ رپورٹ نہیں کیا الحمداللہ، اسی طرح مندروں

میں بھی گھنٹے بجتے رہتے ہیں، پوجا پاٹ ہوتی ہے کلفٹن میں بڑا تاریخی مندر ہے، ایم اے جناح روڈ پر کراچی میونسپل کمیٹی کے مرکزی دفتر کے سامنے ہی ہندوؤں کا بہت بڑا مندر ہے اور اسکے بالکل ساتھ ہی وہاں سکھوں کا گوردوارہ بھی ہے۔۔۔''

''خیر ایسا بھی نہیں ہے لگتا ہے آپ کسی اور ہی پاکستان کے شہری ہیں، ایسا ہوتا تو پاکستان کو یورپی یونین کا خط نہ آتا'' ساجدہ نے یہ بات ہنس کر مذاقاً کہی تھی۔

''جی، جی وہ خط تو نہیں دھمکی تھی کہ اقلیتوں حقوق کی پامالی بند نہ کی گئی تو پاکستان کے تجارتی معاہدے ختم کر دیں گے لیکن اگر آپ اسے خط ماننے پر مصر ہیں تو یورپی یونین کے 51 ارکان کو یہ خط 10 ڈاؤننگ اسٹریٹ کے پتے پر بھیجنا چاہیے تھا کیوں کہ آپکا بی بی سی کہہ رہا ہے کہ برطانیہ میں مسلمانوں پر نفرت انگیز حملوں میں چھ سو فیصد اضافہ ہوا ہے، میرا خیال ہے مارچ 2019 کی رپورٹ ہے یہاں پاکستان میں PUNISH a MUSLIM day کی طرح پاکستان میں ہندوؤں، عیسائیوں، سکھوں یا اقلیتوں کو سزا دو کا دن تو نہیں منایا جاتا، پھر ان یورپی یونین والوں کو بھارت بھی دکھائی نہیں دیتا، اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی سربراہ مشیل باچلیٹ نے تو ذات برادری اور مذہب کی بنیاد پر تقسیم کرنے والی پالیسیوں پر اسے خبردار کیا تھا، بھارت میں تو مسلمانوں عیسائیوں کو ہندو بنانے کے لیے باقاعدہ شدھی اور سنگھٹن تحریکیں چل رہی ہیں، تہاڑ جیل کے اس مسلمان قیدی کی تصویر تو بہت وائرل ہوئی ہے جسے ہندو نہ بنایا جاسکا تو اس کی پشت پر ہندو دیوتا کا نام داغ دیا گیا۔''

''سر! سندھ میں تو اس قسم کی خبریں آپکا میڈیا رپورٹ کرتا رہتا ہے، ہندو لڑکیوں کو اغواء کر لیا جاتا ہے اور پھر مسلمان ظاہر کر کے نکاح کر لیا جاتا ہے''۔

''ایسے واقعات سے انکار ممکن نہیں لیکن یہ انفرادی فعل ہے یہاں ایسی کوئی تحریک نہیں چل رہی کوئی منظم گروہ یہ سب نہیں کر رہا اور یہ سب کے سب واقعات درست بھی نہیں، آخری واقعہ جو اس بارے میں رپورٹ ہوا تھا اس میں لڑکی نے خود عدالت میں بیان دیا اور پریس کانفرنس میں بتایا کہ اس نے پسند کی شادی کی ہے اور مرضی سے مسلمان ہوئی ہے، سندھ میں ہندو برادری کافی مضبوط ہے اسلام کوٹ، ننگر اور کچھ شہروں میں تو یہ اکثریت میں ہیں، ان کے وزراء حکومتوں میں رہے ہیں اور ابھی بھی ہیں، پارٹیوں میں بھی اہم عہدوں پر ہیں''۔

سیلانی کے دلائل پر ساجدہ ہنس پڑی ''آپ کی گفتگو سے ایسا لگ رہا ہے پاکستان ایک جنت ہے''۔

''یہاں شکایات ہیں لیکن ایسا بھی نہیں کہ مسلمان غیر مسلموں کو پکڑ پکڑ کر مسجدوں میں کلمہ پڑھاتے پھریں''۔

''پاکستان کے آئین میں کوئی غیر مسلم صدر اور وزیر اعظم نہیں بن سکتا یہ امتیازی سلوک نہیں؟''۔

''یہ سوال مجھ سے پہلے کسی امریکی دانشور سے پوچھا جائے کیا وہاں کوئی مسلمان صدر بن سکتا ہے مجھے علم نہیں لیکن میرا نہیں خیال کہ برطانیہ کا آئین بھی یہ اجازت دیتا ہوگا''۔

''احمدیوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟''۔

''قادیانیوں کے حوالے سے اشوز ہیں انہیں پسند نہیں کیا جاتا'' سیلانی نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''شکر ہے آپ نے کچھ تو تسلیم کیا''۔

''جو سچ ہے وہ سچ ہے''۔

''اور ان پر قاتلانہ حملے بھی ہوتے ہیں؟'' ساجدہ تیمور صاحبہ نے بات کاٹ کر تیزی سے سوال کیا۔

''یہ آدھا نہیں بلکہ چھٹا نک بھر سچ ہے ہوسکتا ہے کہیں ایک آدھ ایسا واقعہ ہو گیا ہو، اگر ایسا معاملہ اور سوچ ہوتی تو چنیوٹ کے پاس چناب نگر پر مسلمان چڑھ نہ دوڑتے وہاں نوے فیصد سے زائد قادیانی رہتے ہیں، یہ ان کا ہیڈ کوارٹر ہے، مجلس احرار سال میں ایک بار وہاں بڑا جلوس نکالتی ہے جو چناب نگر شہر کے عین وسط میں ختم ہوتا ہے گذشتہ برس میرا بھی جانا ہوا ہزاروں کی تعداد میں لوگ تھے لیکن کسی نے کسی قادیانی کے گھر کی جانب کنکر بھی نہیں اچھالا، کسی درخت کی شاخ تک نہ توڑی''۔

''سر! آپ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں قادیانی بالکل محفوظ ہیں انہیں کسی قسم کی امتیازی سلوک کا سامنا نہیں؟''۔

''اتنے ہی محفوظ ہیں جتنے اور شہری، مسئلہ یہ ہے کہ قادیانی خود کو کھل کر قادیانی تسلیم نہیں کرتے وہ خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، مساجد کے انداز میں اپنی عبادت گاہیں بناتے ہیں، تبلیغ کرتے ہیں، وہ آئین پاکستان میں رہیں تو زیادہ سہولت سے رہ سکتے ہیں''۔

''سر! یہ سہولت کا لفظ بھی خوب کہا یہ بتائیں کہ کیا احمدیوں کے لیے اکثریت میں نرمی کا جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا؟''۔

''ہوسکتا ہے، پہلے قدم کے طور پر انہیں اپنے مذہبی پیشوا کی کتابوں میں مسلمانوں کے لیے لکھی گئی گالیوں سے لاتعلقی کا اظہار کرنا چاہیے جناب کی کتابوں میں اپنے نہ ماننے والوں کو خنزیر تک کہا گیا ہے، کنجر کے الفاظ کا استعمال بھی انکے مضامین میں مل سکتا ہے اچھا آپ یہ بتائیں کہ حیفہ کب کال کر رہی ہیں؟''۔

''حیفہ؟'' ساجدہ تیمور کی آواز میں حیرت تھی اور ہونی بھی چاہیے تھی جسے سمیٹتے ہوئے سیلانی نے کہا ''جی اسرائیل کا تیسرا بڑا شہر جہاں قادیانی بھی آباد ہیں وہاں آپ کسی صحافی سے ضرور پوچھیں گی کہ یہاں کوئی قادیانی وزیراعظم بن سکتا ہے؟ چلیں یہ تو بہت چھوٹی کمیونٹی ہے اسرائیل میں اچھے خاصے مسلمان بھی ہیں آپ کو ضرور پوچھنا چاہیے کہ کیا وہاں کا آئین کسی مسلمان اسرائیلی شہری کو وزیراعظم بننے کی اجازت دیتا ہے؟ یورپی یونین کی ساری چاہتیں پاکستان کی اقلیتوں کے لیے کیوں رہ گئی ہیں یہ بھی تو امتیازی سلوک ہے؟'' سیلانی کی بات پر ساجدہ تیمور ہنس پڑی اور سیلانی کو رسمی طور پر خدا حافظ کہہ کر آف لائن ہوگئی، سیلانی سوچنے لگا کہ ان مہذب قوموں کے دلوں میں صرف پاکستان کی اقلیتوں کی محبت کیوں جوش مارتی ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ ڈرون حملے ہوں یا خودکش دھماکے؟ اسکولوں میں بچوں کا قتل ہو یا باچا خان یونیورسٹی پر حملہ، عموماً ٹارگٹ اکثریت ہی رہی ہے ایسا نہیں کہ اقلیتیں بالکل محفوظ اور مامون ہیں وہ اتنی ہی غیر محفوظ ہوں گی جتنا ایک عام پاکستانی اور یہ عام سی بات ''خاص مقصد'' کے لیے خاص لوگ سمجھنا نہیں چاہتے۔۔۔ سیلانی یہ سوچتے ہوئے لیپ ٹاپ لے کر پاکستان جنوبی افریقہ کا میچ دیکھنے کے لیے ٹی وی کے سامنے پہنچ گیا جہاں فخر امام آؤٹ ہو کر پویلین لوٹ رہا تھا سیلانی کا موڈ خراب ہو گیا اور وہ برا سا منہ بناتے ہوئے لیپ ٹاپ بند کر کے ٹیلی وژن دیکھتا رہا دیکھتا رہا اور دیکھتا چلا گیا۔

(روزنامہ ''امت''، کراچی، 24/ جون 2019ء)

والدین اور دین کا درد رکھنے والے مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ!

سرکاری سکولوں کے تعلیمی نصاب کا ''ارتقاء''

سیدہ بنت وقارالحسن ہمدانی

شخصیت کی تشکیل میں تعلیم وتربیت دونوں کا مساوی کردار ہے۔ تعلیمی اداروں کے نصاب، ہمارے معاشرے کے آئندہ رجحانات کی وضاحت کرتے ہیں۔ نصاب سے حاصل ہونے والی تعلیم ہی طلبہ کو شخصی رجحانات ونظریات کا حامل بناتی ہے۔ بچپن کے نقوش کے اثرات گہرے اور دیرپا ہوتے ہیں۔ اربابِ دانش کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے کہ پاکستانی سکولوں میں کیا پڑھایا جارہا ہے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ گورنمنٹ کا مرتب کردہ نصاب اب پہلے سے کہیں بڑھ کر استعماری اقدار وروایات کا مبلغ بن گیا ہے۔ حتیٰ کہ پرائمری سکول کی بالکل ابتدائی سطح پر بھی نصاب میں ایسی بہت سی چیزیں موجود ہیں جو اسلامی معاشرت سے انحراف اور آزادی کے عقیدے کی طرف بھرپور طریقے سے مائل کرتی ہیں۔

انگریزی کو وطن عزیز میں سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہونے کی بناء پر نصاب میں اُس کی شمولیت تو ضروری ہی ٹھہری۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ شاملِ نصاب انگریزی کی کتابیں زبان سکھانے کے علاوہ بھی بہت کچھ سکھا رہی ہیں۔ اربابِ فکر کو اس سب سے آگاہ رہنا چاہیے۔

دوسری جماعت کی انگریزی کتاب میں " Working Hard " کے عنوان کے تحت ایثار کے جذبے کا خاتمہ سکھایا جارہا ہے۔ **Polly** نامی مرغی نے اپنی محنت اور صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے جب روٹی حاصل کرلی تو اب اس نے ساتھی جانوروں کی بھوک اور طلب محسوس کرتے ہوئے بھی ان کو کھانے میں شریک نہیں کیا۔ اسلامی نظریہ تو اس حدیث میں واضح ہے: ''المؤمن یحب لأخیه ما یحب لنفسه'' (کہ مومن اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لیے)

اسی طرح ساتھیوں کو راحت پہنچانے اور تکلیف سے بچانے کے لیے سنت مطہرہ تو ہمیں کچھ دوسری طرح کے اخلاقی احوال پیدا کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ مثلاً پڑوسیوں کا خیال، برادرانِ ملت کو اپنے جسد کا ٹکڑا سمجھنا، صدقات اور خیرات کے ذریعے سے لوگوں کی مدد کرنا، ایثار کرنا وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہاں اس کے متضاد رویے کا درس موجود ہے کہ

The cat , the dog and the cow wanted to eat the bread. Polly

ate it herself.

(بلی، کتا اور گائے بھی روٹی کھانا چاہتے تھے لیکن پولی نے وہ ساری روٹی خود کھالی)

تیسری جماعت کے بچوں کی انگریزی کتاب میں ہی آزادی، انسان پرستی، دنیا پرستی، اتباعِ مغرب، صنفی مساوات اور مادہ پرستی جیسے جاہلانہ نظریات بالجبر معصوم ذہنوں میں منتقل کیے جارہا ہیں۔ شاملِ نصاب ایک سبق کا عنوان **"Gender Equality"** (مرد و عورت کی برابری) ہے۔ اس عنوان سے ہی مشمولات کی مغرب آلود غلاظت کا جائزہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایک اور سبق **"Helping Others"** (دوسروں کی مدد) کے عنوان کے ذیل میں عجیب کہانی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسماء نامی ایک بچی بالکل اکیلی سکول سے گھر واپس آتے ہوئے راستہ بھول جاتی ہے۔ 2 اجنبی لڑکے اس کو پریشان دیکھتے ہیں، تو قریب آ کر نام پوچھتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کا گھر ڈھونڈ کر پہنچا آتے ہیں۔ گھر پہنچنے پر والدین بہت خوش ہوتے ہیں اور اظہارِ تشکر بھی کرتے ہیں۔ اب اس سبق میں مرد و عورت کی مساوات کا بے تکا اظہار ہے۔ وہاں یہ امکان بھی موجود ہے کہ جو بچے **"Her parents thanked the boys"** (اسما کے والدین نے ان لڑکوں کا شکریہ ادا کیا) پڑھ کر بڑے ہوں گے، وہ کل کو یہ سوال تو نہایت طبعی اور سادہ انداز سے کریں گے کہ شریعت نے عمرہ و حج کے سفر میں عورتوں کے لیے محرم کے ساتھ ہونے کی شرط کیوں لگائی ہے؟۔ یا مثلاً مردوں کو اکیلے سفر کرنے کی اجازت کیوں ہے اور عورتوں کو کیوں نہیں؟ دونوں میں کیا فرق ہے؟ اسلام کی یہ پابندی عورت کی آزادی میں خلل نہیں ڈالتی؟ یہ بچے جو اتنی کم عمری میں اکیلے سکول سے واپس آنے، راستہ بھول کر اجنبی لڑکوں کی رہنمائی قبول کرنے جیسی باتوں کو ابھی سے سیکھ رہے ہیں کل یہی کچھ بڑے ہو کر قرآن کی آیت ''وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ'' (اپنے گھروں میں ٹھہری رہو) پر اعتراض اٹھائیں تو حیرت نہیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک تو یہ صنفی مساوات، آزادی، ترقی جیسے عقائد سے انحراف ہوگا۔ وہ عقائد باطلہ جنھیں آج ہم خود اپنے بچوں کے لیے طبعی اور فطری بنا کر سکھا رہے ہیں۔ یہ نوجوان اسلامی نظریات سے باغی ہو کر سیکولرازم اور لبرل ازم کے کفر و الحاد کی طرف قدم بڑھائیں تو یہ فطری نتیجہ ہوگا، کیونکہ انھوں نے بچپن سے ہی صنفی مساوات اور آزادی جیسے عقیدوں پر تعلیم حاصل کی تھی۔

چوتھی جماعت کا ایک شاملِ نصاب سبق **"The Thief At The Market"** بھی قابلِ ذکر ہے۔ عائشہ بھرے بازار میں ایک چور سے اپنی ماں کا تھیلا واپس لینے کے بعد پھل فروش سے ہاتھ ملاتی ہے اور ہر دکاندار سے اپنے اس اعتماد، جرأت و بہادری پر تحائف و تحسین وصول کرتی ہے، جس پر اس کی والدہ کہتی ہیں:

"I have naver felt more proud of you , my daughter"

(میری بیٹی مجھے تم پر بے انتہا فخر ہے)

یہ پڑھنے کے بعد کل ہماری نوجوان نسل '' وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ '' پر کیسے اعتراض نہ کرے؟ اور اگر جینڈر نیوٹرل رول کو فطری اور طبعی، اور صنفی امتیازات کو فرسودہ اور دقیانوسی قرار نہ دے تو اور کیا کہے؟

نتیجہ تو وہی ہوگا جو آج مثلاً کپڑے دھونے کے پاؤڈر کے اشتہار میں موجود الفاظ میں ہمارے سامنے ہے کہ عورت کا چار دیواری میں رہنا داغ ہے۔ ایسے میں بعض دینی رہنماؤں کا یہ کہنا کہ **Ariel** کا بائیکاٹ کر دیں کتنا زیادہ غیر عملی اور کتنی شدت کے ساتھ شکست خوردہ حکمت عملی کا عکاس ہے؟

عائشہ بھرے بازار میں اپنی والدہ سے تعریفی کلمات سن کر جواب میں ہنستے ہوئے کہتی ہے:

"Please keep your bag safe next time. Being a hero is an exhausting work."

(برائے مہربانی اگلی بار اپنا بیگ سنبھال کر رکھیے گا۔ ہیرو بننا ایک تھکا دینے والا کام ہے)۔

یہ تربیت حاصل کرنے کے بعد ایسے طلبہ بھلا حدیثِ مبارکہ ''الجنۃ تحت اقدام الامھات '' کا مطلب کیونکر سمجھیں گے؟ ان کے شعور میں تو عقیدۂ آزادی نے یہ بات بٹھادی کہ ہیرو بنتے ہوئے بھی ذاتی آزادی پر سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔

''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا إلٰہ الاّ اللّٰہ'' کا نعرہ متقاضی ہے کہ سکول ہو یا مدرسہ، اسلامی عقائد، نظریات و رجحانات ہی نظر آئیں۔ صد افسوس حقیقت اس سے مختلف ہے۔

چہارم جماعت کے ایک سبق کا عنوان ہے:

"Maryam's Tenth Birthday"

سب لوگ جانتے ہیں کہ یوم پیدائش کی تقریبات یا یادگاری کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ چلیں یہ تو ایک درجہ تھا۔ ستم یہ ہے کہ اس برتھ ڈے کی روداد میں درپیش ہونے والے تمام واقعات اپنی نہاد میں مغرب کی کلچرل پراڈکٹ اور وہاں کی ثقافتی سرگرمیاں ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکومت پاکستان کے بزرجمہروں کے زعم میں پاکستان کا اپنا کوئی تہذیبی ورثہ نہیں ہے؟ کیا یہ اپنی ثقافتی تاریخ کو اتنا مفلس سمجھتے ہیں کہ آٹھ نو برس کی عمر کے بچوں کو ابھی سے انگریزوں کی اتباع پر اٹھانا بڑھانا چاہتے ہیں۔ حدیثِ مبارکہ ''من تشبّہ بقوم فھو منھم '' (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے انھی میں سے ہوتا ہے) کے مطابق ہمیں اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ صد حیف **"Maryam's Tenth Birthday"** "پڑھنے کے بعد بچے پارٹی کلچر سے ایسے ہی مانوس ہوں گے جیسے کبھی ہمارے اسلاف عبادت رب، اطاعت حق، اتباع سنت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد سے اپنے پورے وجود کے ساتھ مانوس اور متعلق تھے۔

اسی طرح مطالعۂ پاکستان میں اورنگزیب کا تعاف یوں بیان کیا گیا ہے کہ جیسے وہ ایک جابر حکمران تھا، جس نے

اپنے بھائی کو دانستہ اقتدار کے حصول کے لیے قتل کیا اور میدانِ جنگ کے احوال کو صریحاً غلط انداز میں پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ اورنگزیب نے اپنے باپ کی بھی خوب تذلیل کی۔ حقائق یہ کہتے ہیں کہ اورنگ زیب مسلمان بادشاہوں میں سے ایک صاحب عزیمت بادشاہ تھا۔ اس کے سوانح و واقعات بہت شاندار ہیں۔ اور وہ اپنے بدترین احوال میں بھی ہمارے زمانے کی سب سے بہتر سیاسی قیادت سے بہر طور بہتر تھا۔ سوال صرف سلطان محی الدین اورنگزیب عالمگیر کے محاسن یا جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کا نہیں ہے، بلکہ یہ کیا طریقہ ہے کہ ہماری تاریخی شخصیات کے چن چن کر کمزور پہلو واقعات کی مسخ شدہ تصویر کے ساتھ پیش کیے جائیں اور پورے نصاب تعلیم میں یہ کہیں ذکر نہ ہو کہ نیو ورلڈ آرڈر کیسا خونی اور قاتل نظام زندگی ہے۔ سلامتی کونسل کے بڑے ممالک کن پاگل اور ذہنی مریض سیاسی قیادتوں کے ذریعے چلائے جارہے ہیں اور جدید دنیا کی بنیاد کتنی ہولناک لوٹ مار اور ظلم وزیادتی پر اٹھائی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نوعیت کا نصاب تشکیل دے کر آپ کا مقصود کیا ہے؟ کیا آپ اپنے بچوں کو انھی سامراجی طاقتوں کا خادم بنانا چاہتے ہیں جنھوں نے پچھلے دوسو برس میں دنیا کو جہنم کے دہانے پر پہنچا دیا ہے؟ گویا صورت حال یہ ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں سے اپنی آئندہ نسلوں کو استعمار کے حوالے کررہے ہیں کہ وہ انھیں اپنی چاکری کے لیے قبول کرلے۔

بحیثیت امت مسلمہ ہم لوگ ''اقــرأ'' کی امت ہیں۔ یعنی ہماری شناخت کا آغاز ہی پڑھنے کے ربانی حکم سے ہوتا ہے۔ اور آج علم کے نام پر ہی جہالت اور کفر افزائی کا یہ سب سے بڑا دھوکہ ہمارے سامنے رکھا جارہا ہے۔ اس مسئلہ کا سب سے افسوسناک اور سنگین پہلو یہ ہے کہ بہت سے والدین جو اپنے بچوں کو سکولوں میں تعلیم دلوانے کے لیے بھیجتے ہیں وہ اصل میں دین کا درد رکھنے والے اور اس کے مظاہر سے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ لیکن وہ انجانے میں اپنے ہاتھوں اپنی نسلوں کو گمراہی کے کنوؤں میں دھکیل رہے ہیں اور انھیں اپنے اچھے ارادے اور نیک نیتی کے باوجود نا چاہتے ہوئے بھی بری طرح نقصان کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ ویسی ہی صورت حال ہے جیسے ملتان کے عظیم بزرگ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا کے نام پر قائم ہونے والی یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر کسی زمانے میں ایک تصویر پہلے صفحے پر لگی ہوئی تھی جس میں سر برہنہ و بے پردہ مسلمان لڑکیاں ایک بینر پکڑ کر کھڑی ہیں اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ لکھی ہے کہ فرمایا: العلم نورٌ، یعنی ''علم'' روشنی ہے۔ آپ فرمایئے علوم نبوت کی اس سے زیادہ اہانت آمیز پیروڈی کیا ہوسکتی ہے؟

ہمارے خیال میں اب وہ وقت آگیا ہے کہ پاکستان کی ملت اسلامیہ اس حقیقت کو پہچان لے کہ روایتی سرکاری وغیر سرکاری عصری تعلیمی اداروں میں جو کچھ پڑھایا جارہا ہے نہ تو وہ علم ہے اور نہ ہرگز اس کا اسلام اور یہاں کی ملت اسلامیہ کی تہذیبی و تاریخی شناخت سے کوئی تعلق ہے۔ بطور خاص دینی جماعتوں اور اہلِ علم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان تعلیمی اداروں سے نکلنے والی نئی نسلوں کے ایمان واعتقاد کی حفاظت کی فکر کریں اور اس کے لیے کوئی منظم لائحۂ عمل ترتیب دیں۔

کامیاب معلم کے اوصاف

مولانا مفتی محمد منصور احمد زید مجدہ

کسی بھی نظام تعلیم کا میابی کیلیے معلّم کا کردار، ریڑھ کی ہڈی سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور کسی بھی معاشرے میں معلم کی اہمیت و عظمت ایک مسلمہ امر ہے۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور جب تک اس دنیا میں تعلیم و تعلیم کا سلسلہ رواں دواں ہے'اس پر لکھا جاتا رہے گا ماضی قریب میں مصر کے عظیم شاعر امیر الشعراء احمد شوقی (1868ء / 1932ء) نے معلم کے احترام ومقام پر ایک شہرۂ آفاق قصیدہ کہا' جس کے ابتدائی تین اشعار قابلِ ملاحظہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

قُم للمعلّم وفّہِ التبجیلا کادالمعلّم ان یکون رسولاً

اعلمت اشرف او اجلّ من الذی یبنی وینشئی أنفساً و عقولا

سبحانک اللھم خیر معلّم علمت بالقلم القرون الأولیٰ

(معلم کے احترام میں کھڑے ہو جائیں اور اس کو پوری تعظیم دیں۔ معلم کا مقام تو یہ ہے کہ وہ (نسلوں کے درمیان) قاصد اور سفیر بن سکتا ہے۔ کیا آپ اُس سے زیادہ عزت وعظمت کا حق دار کسی کو سمجھتے ہیں۔ جو انسانوں کو بناتا ہے اور عقل کو پروان چڑھاتا ہے۔ اے اللہ! آپ ہی سب سے بہترین معلم ہیں کہ آپ نے پہلے زمانے والوں کو ''قلم'' کے ذریعے علم سکھایا۔ (یہ قرآن مجید کی آیت ''علّم بالقلم'' کی طرف اشارہ ہے)۔

اس موقع پر زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ معلم کا کردار جتنا اہم اور مقام جتنا بلند ہے' اتنا ہی یہ منصب نازک اور حساس بھی ہے۔ مسلمانوں کا ماضی گواہ ہے کہ جن معلمین میں خود خدا ترسی' فکرِ آخرت' اتباع سنت اور مزاج شناسی جیسی اعلیٰ صفات تھیں' ان کی درسگاہ سے اٹھنے والا ہر شاگرد آسمان علم وفضل کا آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا اور مسلم معاشرے نے انہیں ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے گرد پھیلی ہوئی تلامذہ کی کہکشاں کو دیکھ لیں۔ حضرت قاضی ابو یوسفؒ، امام محمد بن حسنؒ، امام زفر بن ہذیلؒ امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام حسن بن زیادؒ، اور ایسے درجنوں عظیم نام ہیں جو آج بھی تاریخ کے صفحات میں جگمگا رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ امام عالی مقام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کی نظر کیمیاء اثر جس پر پڑتی گئی، جس نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر لیے اور جسے تقدیر الٰہی نے آپ کی مجلس تک پہنچا دیا، وہ خود زمانے کا مقتداء راہنما اور امام بن گیا۔

اسی طرح آپ قریبی دور میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے تلامذہ کی فہرست پر ایک نظر ڈالیں تو یہاں آپ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ جیسے صاحب بصیرت، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جیسے مجاہدانہ جذبات کے حامل، مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلویؒ جیسے فقیہ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے مفسر قرآن اور امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ جیسے عظیم محدث سب ایک ہی صف میں بیٹھے نظر آئیں گے۔ یہ معلوم ہی ہوتا ہے جو زمین پر پھیلے ہوئے لاکھوں پتھروں میں سے کسی ہیرے کو اٹھاتا ہے اور پھر اس کی تراش خراش کر کے جب اُسے زمانے کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس چکا چوند روشنی سے ایک دنیا منور ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ معلم ہی خوف خدا سے خالی اور فکر آخرت سے عاری ہو جائے وہ اپنے فرائض سے غافل اور احساس ذمہ داری سے بے پرواہ ہو جائے اُس میں اخلاص نیت اور پیشہ دارانہ صفات کا فقدان ہو جائے تو اس کے ہاتھوں سے قوم کی نئی نسل کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

معلم کے مقام کی اسی نزاکت کے پیش نظر قدیم وجدید بہت سے اکابر ملت نے معلم کو اس کے فرائض کا احساس دلانے کیلیے قلم اٹھایا ہے اور یوں اس موضوع پر بہت سی قیمتی اور اہم کتابیں وجود میں آئی ہیں۔ مشہور محدث اور شافعی فقیہ شیخ الاسلام قاضی بدرالدین بن جماعۃ رحمتہ اللہ علیہ (۶۳۹ھ تا ۷۳۳ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب ''تذکرۃ السامع والمتکلم فی آداب العالم والمتعلم'' بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ آپ کی علمی حیثیت کے تعارف کے لیے اتنا کہنا کافی ہے کہ امام ذہبیؒ، امام تاج الدین سبکیؒ، امام ابن کثیرؒ جیسے نام آپ کے شاگردوں کی فہرست میں آتے ہیں۔ آپ کے شاگرد امام سبکیؒ نے تو بہت بلند پایہ الفاظ سے اپنے استاذ کی تحسین کی ہے۔ وہ ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' میں لکھتے ہیں:

''شیخنا قاضی القضاۃ بدر الدین محمد بن ابراھیم بن جماعۃ الکنانی الشافعی، حاکم الاقلیمین مصراً وشاماً وناظم عقد الفخار لایسامی، متحل بالعفاف، متخلّ الا عن مقدار الکفاف، محدث فقید، ذوعقل، لایقوم اساطین الحکما بماجمع فیہ''

(ہمارے استاذ قاضی القضاۃ بدرالدین محمد بن ابراہیم بن جماعۃ الکنانی الشافعی، دو ممالک مصر اور شام کے حاکم، قابل افتخار باتوں کے ہار پرونے والے، جن کے برابر کوئی نہیں ہوا، عفت و پاکدامنی سے مزین، سوائے شدید ضرورت کے دنیا سے بے رغبت اور زاہد، بے مثل محدث، ایسی مضبوط عقل والے کے بڑے بڑے فلاسفہ جس کی جمع آوری پر قادر نہ ہوں)

ان قاضی بدرالدین ابن جماعہ کی شہرۂ آفاق کتاب ''تذکرۃ السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم'' کے دوسرے باب میں اساتذہ کیلیے بیان کیے گئے انتہائی اہم اور قیمتی آداب کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ یہ آداب تین طرح کے ہیں۔

قسم اول:

سب سے پہلے عالم یعنی استاد کے ذاتی اوصاف وآداب اور یہ کل بارہ ہیں:

(۱)...... تنہائی میں اور سب کے سامنے (خلوت وجلوت میں) ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھے۔ اپنی تمام حرکات وساکنات اور اپنے تمام اقوال وافعال میں اللہ تعالیٰ کے خوف کا لحاظ رکھے۔

(۲)...... اپنے علم کو ذلت سے بچانے کا اہتمام کرے جیسا کہ پہلے اہل علم نے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے علم کو جو عزت وحترام بخشا ہے اس کی حفاظت کرے۔

(۳)...... دنیا کے بارے میں زہد وقناعت پسندی عادت ڈالے۔ دنیاوی ساز وسامان میں اس قدر کمی کر لے جس سے اس کو اور اس کے گھر والوں کو تکلیف نہ پہنچے۔

(۴)...... اپنے علم کو اس سے بچائے کہ اس کے ذریعے جاہ ومال، شہرت وناموری کوئی عہدہ یا اپنے ہم عصروں پر برتری جیسی دنیاوی اغراض حاصل کرے۔

(۵)...... ایسا پیشہ اختیار کرنے سے پرہیز کرے جسے طبعی طور پر گھٹیا سمجھا جاتا ہو۔ یا شرعی اعتبار سے وہ کام ناپسندیدہ ہو۔

(۶)...... شعائر اسلام اور ظاہری احکام کو پابندی سے ادا کرے جیسے نماز باجماعت، سلام کو عام کرنا، نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا اور اس کے نتیجے میں آنے والی آزمائشوں پر صبر کرنا۔

(۷)...... اسے چاہیے کہ شرعاً جو کام مستحب ہیں ان کا بھی اہتمام کرے جیسا کہ قرآن مجید کی تلاوت، دل اور زبان سے اللہ کا ذکر دن اور رات کی مسنون دعائیں اور اذکار نفل نمازیں اور روزے نفل حج بیت اللہ شریف اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف۔

(۸)...... اسے چاہیے کہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے جیسے خندہ پیشانی، سلام کو عام کرنا، لوگوں کو کھانا کھلانا، غصہ کو پی جانا، اپنی طرف سے کسی کو تکلیف نہ دینا اور اگر کسی کی طرف سے تکلیف پہنچے تو اسے برداشت کر لینا، جب کسی ایسے شخص کو دیکھے طریقے سے نماز نہیں پڑھتا یا صحیح وضو نہیں کرتا تو اسے نرمی اور شفقت سے سمجھائے۔

(۹)...... اپنے باطن کو اچھے اخلاق سے مزین کرے اور برے اخلاق سے پاک صاف رکھے۔ برے اخلاق میں سے چند یہ ہیں: کینہ، حسد، سرکشی، ذاتی وجوہات کی بناء پر غصہ ہونا، دھوکہ دہی، تکبر، دکھلاوا، خود پسندی، شہرت پسندی، بخل، خباثت نفس، حق بات ٹھکرا دینا، لالچ اور دیگر ایسے کئی برے اخلاق۔

اچھے اخلاق میں سے چند یہ ہیں: ہمیشہ توبہ کرنا، اخلاص، اللہ تعالیٰ پر یقین، توکل، صبر، رضا، قناعت، تفویض، زہد، حسن ظن، شکر، مخلوق پر شفقت، ان سب اخلاق کی بنیاد اللہ کی محبت ہے جو صرف رسول اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ہی مل سکتی ہے۔

(۱۰)...... استاد کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ خوب محنت سے اپنی عبادات وظائف وغیرہ ادا کرتا رہے اور اپنے مطالعہ غور وفکر حفظ،

تصنیف اور بحث ومباحثہ میں اضافے کے لیے کوشش کرتا رہے۔ اپنی عمر عزیز کا کوئی حصہ ضائع نہ کرے اور جو دنیاوی ضروریات ہیں، ان کے حصول کے بعد جتنا بھی وقت ملے اس کو مفید کاموں میں لگائے کیونکہ مومن کی عمر ایسی چیز ہے جس کی قیمت نہیں لگائی جا سکتی۔

البتہ اپنی جان پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے کہ بالآخر اکتا کر اور تنگ آ کر مفید کاموں سے ہی پیچھے رہ جائے۔ اس سلسلے میں اعتدال کو اختیار کرنا چاہیے اور ہر شخص اپنے حالات سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے۔

(۱۱)...... استاد کو چاہیے وہ نہیں جانتا اس کو حاصل کرنے میں شرم سے کام نہ لے خواہ ایسے شخص سے ہی استفادہ کرنا پڑے جو اس سے منصب نسب یا عمر کے اعتبار سے کم ہو۔ حکمت کی بات تو مومن کی گمشدہ دولت ہے اسے جہاں سے بھی ملے وہ لے لیتا ہے۔

(۱۲)...... اپنے اندر کمال اور اہلیت پیدا کرنے کے بعد تصنیف وتالیف میں بھی مشغول رہے۔ اور اپنی تصنیف کردہ کتاب کو تب تک عام نہ کرے جب تک اس پر اچھی طرح نظر ثانی نہ کر لے۔

(2) دوسرے نمبر پر اساتذہ کیلیے وہ آداب ہیں جن کا تعلق ان کے درس سے ہے یہ آداب بھی کل بارہ ہیں:

(۱)...... جب مجلس درس میں جانے کا ارادہ ہو تو پہلے خوب پاکی حاصل کرے صاف ستھرے کپڑے زیب تن کرے اور اس میں استاد کی نیت علم کی تعظیم اور شریعت کے احترام کی ہونی چاہیے پھر اگر مکروہ وقت نہ ہو تو دو رکعات نماز استخارہ پڑھے اور اپنی نیت کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے اور علم میں اضافہ وغیرہ پر مرکوز رکھے۔

(۲)...... جب گھر سے نکلے تو وہ دعا پڑھ لے جو صحیح احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اللّٰھم انی اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَضِلَّ او اُضَلَّ او اَزِلَّ او أُزَلَّ أو أَظلِمَ اوأُظلَمَ اوأجهَلَ او يُجْهَلَ عليَّ،عزَّ جارُک وجلَّ ثناء ک ولااله غیرک

پھر یہ پڑھے:...... بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ حَسْبِیَ اللّٰہُ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم، اَللّٰھُمّ ثَبِّتْ جِنَانِیْ وَ اَجْرِیْ الْحَقَ عَلٰی لِسَانِیْ. مجلس درس میں پہنچے تک مسلسل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے۔ جب وہاں پہنچے تو حاضرین کو سلام کرے اور اگر مکروہ وقت نہ ہو تو دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ سے خوب توفیق اور مدد مانگے۔ مجلس میں اگر ممکن ہو سکے تو قبلہ رخ بیٹھے، وقار اور تواضع اپنائے رکھے پھر خواہ چار زانو بیٹھے یا کسی بھی ایسے طریقے سے بیٹھے جو ناپسندیدہ نہ ہو۔ بغیر کسی عذر کے اپنے پاؤں نہ پھیلائے اور نہ ہی اپنے دائیں بائیں یا پیچھے ٹیک لگائے۔ اپنے جسم کو بلاوجہ حرکات سے بچائے۔ اپنے ہاتھوں کو بے کار مصروفیت اور آپس میں انگلیاں پھنسا لینے سے بچائے۔ بغیر ضرورت کے بار بار ادھر اُدھر نہ دیکھے، زیادہ مذاق اور ہنسنے سے پرہیز کرے، سخت بھوک یا پیاس غم اور غصہ نیند یا کسی بھی تکلیف دہ حالت میں سبق نہ پڑھائے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ایسی حالت میں غلط فتویٰ دے بیٹھے۔

(۳)...... مجلس درس میں ایسے بیٹھے کہ سب کو نظر آئے۔ جو لوگ علم، عمر یا اعزاز کے اعتبار سے بڑے ہوں ان کی تعظیم کرے اور باقی لوگوں کے ساتھ بھی احترام سے پیش آئے، سب لوگوں کی طرف اعتدال سے متوجہ رہے البتہ جب کسی کو کوئی خاص بات کہنی ہو یا اس سے سوال جواب کرنا ہو تو پھر اسی کی طرف متوجہ رہے اور متکبرین کے طور طریقوں سے بچے۔

(۴)...... سبق شروع کرنے سے پہلے تبرک کے طور پر کچھ قرآن مجید پڑھ لے اور اس کے بعد اپنے لیے حاضرین کے لیے اور تمام مسلمانوں کیلیے دعا کرے۔ البتہ اگر مدرسہ میں کوئی اور ضابطہ ہو تو پھر اس کی پابندی کرے پھر ''اعوذ باللہ، بسم اللہ'' پڑھے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام سے بات شروع کرے۔

(۵)...... جب کئی سبق پڑھانے ہوں تو ان میں ترتیب کا لحاظ رکھے۔ پہلے تفسیر قرآن پھر حدیث پھر اصول دین پھر فقہ پھر فقہی مذاہب اور پھر اختلافی مسائل پڑھائے۔ بعض علماء کرام اپنے سبق کو ایسی نصیحتوں پر ختم فرماتے تھے جو حاضرین کو فائدہ دیں۔ اس بارے میں بھی اگر مدرسے کا ضابطہ مختلف ہو تو اس کی پیروی کرے۔ سبق میں جو بات مسلسل ہو اس کو ایک ساتھ ہی بیان کرے۔ اور جہاں وقف کرنا مناسب ہو وہاں ہی بات کو منقطع کرے۔

اپنے سبق میں دین کے بارے میں کوئی شبہ اس طرح نہ ذکر کرے کہ اس کے جواب کو موخر کر دے۔ خاص طور پر جب سبق میں عوام اور خواص سب قسم کے لوگ ہوں۔ کیونکہ اس سے بڑی خرابی پیش آسکتی ہے۔ سبق میں نہ تو زیادہ طوالت سے حاضرین اکتا جائیں اور نہ ہی اتنا اختصار کرے کہ بات سمجھنا مشکل ہو جائے جس مقام پر جیسے ضرورت اور مصلحت ہو اتنی ہی گفتگو کرے۔

(۶)...... استاد کو چاہیے کہ وہ اپنی آواز کو نہ تو ضرورت سے زائد بلند کرے اور نہ ہی اتنا آہستہ آواز سے بولے کہ جس سے سامعین صحیح فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ بہتر یہ ہے کہ استاد کی آواز مجلس درس سے باہر بھی نہ جائے اور حاضرین کو سننے میں مشکل بھی پیش نہ آئے۔ استاد کو چاہیے کہ پوری بات شروع سے آخر تک ایک ساتھ ہی نہ کہہ ڈالے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر ترتیب سے باتوں کے درمیان وقفہ کر کے کہے تا کہ وہ خود بھی اور سامعین بھی اس بات پر غور کر سکیں۔ جب کہ مسئلہ کو بیان کرنے سے فارغ ہو تو معمولی سی خاموشی اختیار کرے تا کہ اگر کسی نے کوئی بات پوچھنی ہو تو پوچھے۔

(۸)......استاد کو چاہیے کہ جو شخص بحث میں حدود سے تجاوز کرے یا جھگڑے پر آمادہ ہو یا بے ادبی سے پیش آئے یا بغیر فائدے کے بلند آواز سے بولے یا اپنے سے بڑوں کی بے ادبی کرے یا حاضرین میں سے کسی کا مذاق اڑائے اور مجلس کے ماحول کو خراب کرے تو اسے سلیقے سے ڈانٹ ڈپٹ کرے البتہ اس بات کا خیال رکھے کہ اس تنبیہ سے کوئی ایسی خرابی نہ پیش آجائے جو پہلے سے زیادہ بڑی ہو۔ یہ بھی مناسب ہے کہ درسگاہ میں ایک سمجھدار نگران ہو جو حاضرین کو ترتیب سے بٹھائے، سونے والے کو جگائے اور سب کی توجہ درس کی طرف کرواتا رہے۔

(۹)...... استاد کو اپنی بحث اور سبق میں انصاف کا دامن پکڑے رکھنا چاہیے اور اگر کوئی چھوٹا بھی سوال کرے تو اس

کو جواب دینے سے احتراز نہ کرے، اگر سائل اپنی بات پوری طرح نہ کہہ سکتا ہو تو پہلے اس کو اس کا سوال سمجھا دے اور پھر خود یا کسی دوسرے سے اس کا مناسب جواب بیان کروا دے۔

جب استاد سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جو اسے معلوم نہ ہو تو صاف کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں کیونکہ ''لا اعلم'' اور ''لا ادری'' کہنا بھی علم کا حصہ ہے اور اس سے استاد کی عزت میں اضافہ ہی ہوتا ہے، اس سے استاد کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی جیسا کہ بعض جاہل لوگ سمجھتے ہیں۔

(۱۰)...... مجلس درس میں کوئی اجنبی طالبعلم آ جائے تو خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرے اور اس کو اس طرح نہ گھورے کہ وہ اپنی اجنبیت کی وجہ سے استفادہ سے محروم ہو جائے۔ کہیں اگر ضرورت محسوس کرے تو پورے مسئلے کو دوبارہ بھی بیان کر سکتا ہے۔ یا اس کا خلاصہ بیان کر دے۔ مجلس درس کا وقت مقرر کرنے میں طلباء کرام کی رعایت کرے اور ان کو ایسے وقت جمع ہونے پر مجبور نہ کرے کہ جس سے ان کے لیے سخت مشکل پیش آئے یا وہ درس میں یکسوئی سے محروم ہو جائیں۔

(۱۱)...... سبق کے اختتام پر کوئی ایسا جملہ کہہ دے جس سے حاضرین کو ختم ہونے کا واضح طور پر پتہ چل جائے اور پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی نیت سے ''واللّٰہُ اَعْلَمُ'' بھی کہہ دے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ حاضرین کے اٹھنے کے بعد رخصت ہو۔ تاکہ اگر کسی نے کوئی سوال علیحدگی میں پوچھنا ہو تو وہ بھی پوچھ سکے۔ جب مجلس کے اختتام پر اٹھے تو یہ مسنون دعا پڑھ لینا بھی مستحب ہے: ''سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ''

(۱۲)...... کبھی بھی وہ سبق نہ پڑھائے جس کا وہ اہل نہ ہو اور اس کے بارے میں نہ جانتا ہو۔ چونکہ اس میں دین کی سخت تحقیر ہے۔

(۳) تیسرے قسم کے آداب وہ ہیں جن کا استاد کو اپنے طلباء کرام کے بارے میں خیال رکھنا چاہیے یہ کل چودہ (۱۴) آداب ہیں:

(۱)...... طلباء کی تعلیم سے استاد کی نیت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا، علم کی نشر و اشاعت، تبلیغ دین، اظہار حق اور ابطال باطل کی ہونی چاہیے اور یہ ارادہ ہو کہ علماء کرام کی کثرت سے امت میں خیر رہے گی اور ان کے ثواب میں اور دعاؤں میں میرا بھی حصہ ہوگا۔ اسی طرح علم کا وہ مبارک سلسلہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوا ہے اس میں، میں بھی شامل ہو جاؤں گا۔

(۲)...... استاد کو چاہیے کہ وہ طلباء کرام کو آہستہ آہستہ حسن نیت پر ابھارتا رہے۔ لیکن کسی طالبعلم کو صرف اس وجہ سے علم سے محروم نہ کرے کہ اس کی نیت درست نہیں ہے۔ کیونکہ علم کی برکت سے امید ہے کہ اس کی نیت بھی اچھی ہو جائے۔

(۳)...... اپنے طلباء کرام کو علم اور علماء کے فضائل اور ان کو ملنے والے انعامات یاد دلاتا رہے اور وارث پیغمبر ہونے کا عظیم منصب بھی انہیں بتاتا رہے کہ انہیں تحصیل علم میں ذوق و شوق حاصل ہو اور اس راستے میں آنے والی تکالیف کا وہ

سامنا کر سکیں۔

(۴)...... استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے طالبعلم کیلیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے اور جس بات کو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے اس کو طالبعلم کیلیے بھی ناپسند کرے۔

اپنے طلباء کرام کے مصالح کا خیال رکھے اور اپنی اولاد کی طرح ان سے شفقت کا برتاؤ کرے۔ اور ان کی غلطیوں سے صبر کا معاملہ کرے۔ جو طالبعلم ذہین ہوں ان کی تربیت کیلیے اشارہ اور کنائے سے کام لے لیکن جو طالبعلم اس سے نہ سمجھے تو اس کو وضاحت سے تربیتی امور سمجھائے۔

(۵)...... اپنے شاگرد کے سامنے علمی بات کو ایسا پیش کرے کہ وہ آسانی سے سمجھ سکے اور سیکھ سکے۔ طالبعلم جس علم کا اہل ہو تو اس کے سکھانے میں بخل سے کام نہ لے ورنہ اس کا دل ٹوٹ جائے گا اور وہ استفادہ سے محروم ہو جائے گا۔ جو طالبعلم کسی علم کا اہل نہ ہو تو وہ اسے ہرگز نہ سکھائے۔ بلکہ اسے ایسے امور کی طرف متوجہ کرے جس کے ذریعے وہ رفتہ رفتہ اس علم کے حصول کا اہل بن جائے۔

(۶)...... طلباء کو تعلیم دینے میں خوب محنت سے کام لے لیکن اتنی بار اپنی بات کو نہ دھرائے کہ وہ بوجھ بن جائے۔ پہلے مسئلہ کی صورت اور عملی شکل کو بیان کرے پھر مثالوں سے اس کو واضح کرے۔ جو طالبعلم دلائل سمجھنے کا اہل ہو اس کے سامنے مسائل کا ماخذ اور دلائل بھی بیان کرے۔ ورنہ صرف مسئلہ کو بیان کرنے پر اکتفاء کرے۔ اختلافی مسائل کو بیان کرتے وقت علماء میں سے کسی کی تنقیص کرنے سے بچے۔ سبق میں جہاں تصریح کی ضرورت ہو وہاں بات کو خوب واضح کرے اور جہاں اشارہ و کنایہ مفید و مناسب ہو تو اسے استعمال کرے۔

(۷)...... جب استاد درس مکمل کر چکے تو اس کوئی حرج نہیں کہ طلبہ کے امتحان کی غرض سے ان سے مختلف سوالات پوچھے استاد کو جب تک یہ یقین نہ ہو کہ طالبعلم بات سمجھ گیا ہے تب تک اس سے یہ نہ پوچھے کہ ''تم سمجھ گئے ہو''؟ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ شرم کی وجہ سے ''ہاں'' میں جواب دے دے۔ حالانکہ وہ بات صحیح طرح سمجھا نہ ہو۔ استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے طلبہ کو سبق میں پابندی سے شرکت کا حکم دے اور سبق کے بعد ان کو باہمی طور پر سبق کے تکرار کا بھی حکم دے تاکہ مسائل ان کے ذہن نشین ہو جائیں اور خود بھی ان پر غور و فکر کر سکیں۔

(۸)...... استاد کو چاہیے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے طلبہ سے گزشتہ اسباق بھی سنتا رہے اور ان کے حافظے کا امتحان لیتا رہے، جو طالبعلم امتحان میں صحیح جواب دے اور اس سے خود پسندی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کی خوب حوصلہ افزائی کرے تاکہ وہ مزید محنت کر سکے، ایسا طالبعلم کہ امتحان سے اس کی کوتاہی ثابت ہو جائے تو اس پر صرف اتنی سختی کرے جس سے اس کو تحصیل علم میں نشاط حاصل ہو جائے اور وہ راست پر آ جائے۔

(۹)...... اگر استاد طالبعلم کو دیکھنے کہ وہ اپنی ہمت سے بہت زیادہ بڑھ کر کام کر رہا ہے تو اس کو ضرور سمجھائے کہ اس سے

بجائے فائدہ کے الٹا نقصان ہوسکتا ہے۔ اسی طرح اگر استاد، طالبعلم میں اکتاہٹ، سستی یا بلا وجہ تھکاوٹ دیکھے تو بھی اس کو نصیحت کرے۔ طالبعلم کو کبھی ایسی کتاب یا ایسا سبق پڑھنے کا مشورہ نہ دے جو اس کی سمجھ سے بالاتر ہو۔ اس لیے مبتدی طلبہ کو ہر فن کی آسان ترین کتاب پڑھائے۔ البتہ جب اس میں قابلیت پیدا ہوجائے تو پھر اس کے مناسب کتاب تجویز کرے۔

(۱۰)...... ہر فن کے ایسے اصول جو ہمیشہ کام آتے ہیں، ان کو طلبہ کو سامنے ضرور بیان کرے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ میں اہم شخصیات اور دیگر اہل علم سے معروف حضرات کے نام اور حالات طلبہ کو سکھائے۔ استاد کو چاہیے کہ اگر کسی طالبعلم کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھے یا اس کے فضائل میں ترقی دیکھے تو اس کا راستہ نہ روکے کیونکہ شاگردوں کے فضائل کا دنیاوی اور اخروی فائدہ استاد ہی کو ملتا ہے۔

(۱۱)...... استاد کو چاہیے کہ جو طالبعلم صفات میں برابر ہوں ان میں سے کسی دوسرے پر ترجیح نہ دے ورنہ دیگر طلبہ اس سے وحشت کھانے لگیں گے۔ البتہ اگر کسی سے کوئی امتیازی برتاؤ کرنا ہو تو اس کی وجوہات سب کے سامنے بیان کردے تاکہ سب کے دل آپس میں اور استاد کے ساتھ بھی جڑے رہیں۔

(۱۲)...... طلبہ کے حالات کی نگرانی کرنا استاد کی ذمہ داری ہے۔ جو طالبعلم کسی بدعملی یا بے ادبی کا شکار ہو تو ابتداء میں استاد کو چاہیے کہ وہ اسے متعین کیے بغیر سب کے سامنے نصیحت کرے۔ اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو اسے تنہائی میں بلا کر سمجھائے، پھر بھی اگر وہ باز نہ آئے تو اعلانیہ اس پر نکیر کرے اور اس کو سخت الفاظ میں سمجھائے تک وہ اپنی بری عادات سے باز آجائے۔ اگر وہ پھر بھی باز نہیں آتا تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ استاد اسے حلقہ درس سے نکال دے۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ جب یہ ڈر ہو کہ دوسرے طلبہ بھی برائیوں میں مبتلا ہوجائے گے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو آپس میں بھی حسن سلوک کے ساتھ رہنے کے طریقے سمجھائے اور ان کی کڑی نگرانی کرے۔

(۱۳)...... استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کی مصلحتوں کو پورا کرنے میں اپنی جاہ و مال میں سے جو کچھ کرسکتا ہے اس میں کمی نہ کرے۔ جب عام مسلمان کی مدد کرنے کے بے شمار فضائل ہیں۔ تو علم حاصل کرنے میں تعاون کی نیت سے کسی کی مدد کرنا تو بہترین عبادت ہے۔ جب کوئی طالبعلم مجلس سے غائب ہو تو اس کے بارے میں ضرور پوچھے اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے اگر اسے کوئی اور ضرورت درپیش ہو تو جہاں تک ہوسکے اس کی مدد کرے۔ استاد کو چاہیے کہ اپنے طلبہ کے لیے خوب دعائیں بھی مانگے تاکہ وہ اس کیلیے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔

(۱۴)...... استاد کو چاہیے کہ وہ طالبعلم بلکہ دینی راہنمائی حاصل کرنے والے ہر شخص کے ساتھ انتہائی مہربانی اور تواضع کا معاملہ کرے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور استاد کے حقوق کو ادا کرنے والا ہو۔ استاد کو چاہیے کہ حاضرین کو صرف ایسے نام اور کنیت سے پکارے جو انہیں اچھے لگتے ہوں جب طلبہ آئیں تو ان کا استقبال کرے اور ان کے آنے پر اپنی خوشی کا اظہار کرے۔ یہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے۔

دربارِ نبوت کی حاضری......ایک تمنا

(بہاری زبان میں) مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ

پیارے محمدؐ جگ کے سجن	۱	تم پر واروں تن من دھن
تمری صورتیا من موہن		کبھیو کراہو تو درشن
جیا کُنھڑے، دلوا ترسے		کرپا کے بدرا کبھیا برسے
تمری دوارِیا کیسے چھوڑوں	۲	تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تمری گلی کی دھول بٹوروں		تمرے نگر میں دم بھی توڑوں
جی کا اب ارمان یہی ہے		آٹھوں پہر اب دھیان یہی ہے
صلی اللہ علیک نبیا	۳	تمرے دوارے آیا دکھیا
بہیّاں اہکی پکڑھو راجا		اپنے حُسین وحَسن کا صدقا
ڈھوا گھیریں ناؤ کو اس کے		اب نہیں ہم ہیں اپنے بس کے
سیس پہ اہکے پاواں دھرہو	۴	پیت کی اگیا من میں بھرہو
بھدرہوا پہ تنی کرپا کرہو		سپنو میں ایسن کر گجر ہو
راجا تمری دیوڑھی بڑی ہے		رحمت تمرے نام پڑی ہے
اندھرا کے تم رہیا بتاہو	۵	ہردے کا اہکے جوت جگاہو
ڈگری پہ اپنے اہکو چلاہو		بودھا کے تم بُدّھی بناہو
کھینچو اہکو پاپ نرکھ سے		دھو دیہو کالیکھ منھ کا اہکے
تمرے پیا کی اونچی اٹریا	۶	ہمری نے ہی واں پہ گجریا
بتلا بتلا رہی نجریا		پکھلئی ہے اک تمری دواریا
اُن کھر پتوا تمرے سے چلی ہے		کھوجوا بھی ان کا تمرے سے ملی ہے
پی کی پتیا تم ہی لے لہو	۷	ان کھر بتیا تم ہی سنی لہو

ہمنی کے نندیا سے تم جگے لہو مرل تھلبئ تم ہی جلے لہو
دھرمی بھے لوں تم ری دیا سے مکتی بھی ہوا سی ہی تمری ودوا سے

ترجمہ:

۱: اے حبیب محمد! اے ساری کائنات کے محبوب! میں آپ پر اپنا جسم، اپنی روح اور اپنا مال لٹا دوں۔ آپ کی صورت مبارک کیسی دل کو بھانے والی ہے۔ کبھی تو زیارت بھی نصیب فرمائیے۔ (کہ) جی غمزدہ ہے اور دل اس زیارت کا مشتاق ہے۔ آپ کی عنایت کے بادل کب برسیں گے۔

۲: آپ کے شہر کا راستہ کیسے چھوڑیں؟ اگر آپ سے نہ جڑیں تو پھر دنیا میں جڑنے کے لائق کون ہے؟ آپ کے کوچے کی خاکروبی کی تمنا ہے۔ یہ بھی خواہش ہے کہ آپ کی بستی میں آخری سانس نصیب ہوں۔ دل کی سب سے بڑی حسرت اب یہی ہے، ہر لمحہ یہی خیال رہتا ہے۔

۳: اے نبی! اللہ آپ پر صلاۃ و سلام بھیجے۔ آپ کے مبارک شہر میں ایک دکھی آیا ہے۔ اے بادشاہ! اپنے حُسین و حسن (رضی اللہ عنہما) کے صدقے میں ہی اس کو بازو سے تھام لیجیے۔ اسی کی کشتی کو بڑی موجوں نے گھیر رکھا ہے۔ اس کا معاملہ اب اس کے اپنے بس میں نہیں رہا۔

۴: اس کے سر پر اپنا مقدس قدم رکھ دیجیے۔ اس کے دل میں عشق کی آگ بھر دیجیے۔ اس بدبخت پر ذرا سی مہربانی کر دیجیے۔ خواب میں ہی ایسا کر گذریے۔ اے راجا آپ کی ڈیوڑھی بہت بڑی ہے، رحمت تو آپ کے نام لکھ کر رکھ دی گئی ہے۔

۵: اس اندھے کو آپ راستہ بتا دیجیے۔ اس کے دل کا چراغ روشن کر دیجیے۔ اس کو اپنے ہی راستے پر چلا لیجیے۔ اس کم عقل کو دانش مند بنا دیجیے۔ اس کو گناہوں کے دوزخ سے کھینچ کر نکال لیجیے۔ اس کے منہ کی کالک دھو دیجیے۔

۶: آپ کے محبوب (اللہ تعالی) کا محل بہت اونچا ہے۔ ہم (عاصیوں) کا وہاں تک گذر نہیں ہوتا۔ نظر (کسی سفارشی کی تلاش میں) ہر طرف گھوم پھر کر بھٹک رہی ہے، بس ایک آپ کا دروازہ ہے جو ہم جانتے ہیں۔ ان (اللہ تعالیٰ) کا پتہ بھی آپ سے ہی چلے گا۔ ان کا سراغ بھی آپ سے ملے گا۔

۷: محبوب کا خط آپ ہی لے کر آئے تھے۔ ہمیں ان کی باتیں آپ نے ہی سنائی تھیں۔ ہمیں نیند سے آپ نے ہی جگایا تھا۔ ہم تو مرے ہوئے تھے آپ نے زندہ کیا تھا۔ ہمیں آپ کی مہربانی کے طفیل دین دھرم کی دولت ملی تھی اب اسی آپ کے کرم کی بدولت ہماری نجات بھی ہو جائے۔

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

احمد ندیم قاسمی مرحوم

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایا تیرا

ایک بار اور بھی طیبہ سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجدِ اقصیٰ تیرا

اب بھی ظلمت فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا

مشرق و مغرب میں بکھرے ہوئے گلزاروں کو
نِکہتیں بانٹتا ہے آج بھی صحرا تیرا

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا کرم ہے
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

امام انبیا سوہنا محمد مصطفیٰ آیا

(غیر مطبوعہ سرائیکی نعت)

ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام انبیاء سوہنا محمد مصطفیٰ آیا
نبی اُمّی لقب اُمیّاں وچوں بن مجتبیٰ آیا

ہیندے سر تے ایہہ تاجِ خاتمیت ڈاھڈا چھکدا ہے
جو اوّل انبیاء دا خود تے آخر مقتدیٰ آیا

اوہ پا کے تاج محبوبی مٹاون نفرتاں آیا
بنی آدم ہیں سب بھائی ڈساون مصطفیٰ آیا

نبی سوہنڑیں کوں منیا پہلے پہلے بس غریباں نیں
غریباں کوں ایں امت دا بنڑاون مھتدیٰ آیا

محمد عبد ہے رب دا محمد مولیٰ ہے سب دا
چھڑاون شرک دی لعنت تو سب کوں مصطفیٰ آیا

محمد مصطفیٰ توں پہلے دنیا شرک دا گڑھ ہئی
مٹا سب شرک دا جھگڑا جڈاں سوہنا مصطفیٰ آیا

محمد مصطفیٰ مکی و مدنی تہامی ہاشمی سرور
اساڈا ظاہر و باطن سجاون مصطفیٰ آیا

نگاہِ علم نبوی وچ محمد عبد اعلیٰ ہے
مٹاون شرک و خرمستی محمد مصطفیٰ آیا

محمد ظاہر و باطن دے وچ انسان کامل ہے
مٹاون ویسیں دا اولہا خدا دا مدعیٰ آیا

مکے وچ مصطفیٰ سئیں نے تیرھاں سال ڈکھ جھلّے
الٰہ و عبد انج انج ھِن، سکھاون مصطفیٰ آیا

تریوی سال احمد سئیں نے احدیّت نکھیڑی ہے
عقیدے سارے شرکیہ ونجاون مصطفیٰ آیا

میں نعت مصطفیٰ لکھی میں مدحِ مجتبیٰ لکھی
ہن آدھے بندہ بندہ اوہ غلامِ مصطفیٰ آیا

محبت تے عبادت وچ عطا میں فرق کیتا ہے
خدا خود حشر وچ آکھے غلامِ مصطفیٰ آیا

میرا افسانہ

قسط: ۱۰

مفکر احرار، چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

پیشی:

سپرنٹنڈنٹ کو قیدی کے سزا و انعام کا اختیار عام ہے۔ انعام پر آئے تو ایام قید کو جتنا چاہے گھٹا دے۔ انتقام پر آئے تو تمام رعایتوں پر قلم پھیر دے۔ قیدی کے ایام قید کو کم کرنا اس کو جاگیر بخشنا ہے۔ کیونکہ آزادی کی قدر قیدی کو ہی ہوتی ہے۔ اس لیے قیدی تمام سزاؤں کو ہیچ سمجھتا ہے، البتہ قید کے دنوں کی چھوٹ کٹ جانے پر سخت مضطرب ہوتا ہے۔ سپرنٹنڈٹ کسی لمبی چوڑی تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں سمجھتا، بلکہ من مانی کرتا ہے۔ وہاں دلیل اپیل کام نہیں دیتی۔ اکثر داروغہ کے منشاء کے مطابق سزا ملتی ہے۔ اسی کو ڈسپلن کے قرین خیال کیا جاتا ہے سپرنٹنڈنٹ کا خدا جو کرے ہوتا ہے اور قیدی کے جو قسمت میں ہوتا ہے بھگتنا پڑتا ہے۔ ہلکی مشقت سے سخت مشقت دی جاتی ہے۔ بارک سے نکال کر قید تنہائی میں ڈالا جاتا ہے۔ تعزیری خوراک، ڈنڈا بیڑی، کھڑی ہتھکڑی، رات کی ہتھکڑی، ٹاٹ وردی...... پہنائی جاتی ہے۔ جیلوں کے اندر جا کر دیکھو، درختوں کے ساتھ زنجیروں میں بندھے ہوئے قیدی لٹکتے پاؤ گے۔ شاید شکر کرو کہ ٹھنڈے سایہ میں سزا ملتی ہے ورنہ حکام جیل میں گرم مزاجی اس امر کی مقتضی ہے کہ قیدیوں کو دھوپ میں سکھایا جائے اور تپتی ریت پر لٹایا جائے۔ اس حسن سلوک پر وجہ شکر کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ قیدی سے حکام کو ذاتی پرخاش نہ ہو۔ اگر کوئی گستاخی کر بیٹھے تو اس کا خدا حافظ۔ ایک پر بیس آدمی لگا کر تنکلے کی طرح جوتوں سے سیدھا کر دیا جاتا ہے۔ جیل میں کوئی اس کی فریاد کو سننے والا نہیں ہوتا۔ اگر ڈاکٹر اور جیلر کی آپس میں ناچاقی ہو تو ملازمین قیدی پر تشدد میں احتیاط برتتے ہیں۔ جہاں یہ شیر و شکر ہوں وہاں بے دریغ انسانوں کا خون نچوڑا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تشدد کسی شدید غلطی یا گستاخی پر کیا جائے۔ بلکہ بعض اوقات معمولی معمولی باتوں پر افسران جیل کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ اور ایسی جابرانہ کارروائیاں کر بیٹھے ہیں۔ کہ انسان کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔

میرے ایام قید میں بعض ایسے ناخوشگوار واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ جن کے بیان سے میں اس لیے معذور ہوں کہ ان دورناک واقعات کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں۔ تاہم ایک واقعہ انسان کی شقاوت قلب پر آنسو رونے کو تحریر کرتا ہوں۔ ہم چار سیاسی قیدی حکام کے غصہ و غضب کا شکار ہو کر تنہائی کی قید کاٹ رہے تھے۔ صبح کا وقت تھا۔ مشقت ابھی تقسیم ہی ہوئی تھی۔ کہ چیف وارڈ رمعہ دیگر دو عہدہ دار قیدیوں کے ایک اور قیدی کو مارتے پیٹتے لائے۔ ایک کوٹھڑی میں زمین پر لٹا کر نہایت بے دردی سے زدوکوب کرنے لگے، اس کی آواز سن کر سب کانپ اٹھے۔ حسن اتفاق سے ابھی تک ہمیں کوٹھڑیوں میں بند نہ کیا گیا تھا۔ اس کی آہ و بکا سن کر کوٹھڑیوں سے سب نکل آئے اور اس طرف بڑھے۔ جہاں یہ بے دردی کا کام سرانجام دیا جا رہا تھا۔ ہم نے قیدیوں کی سی انکساری سے چیف وارڈر کو اس دست درازی سے باز رہنے کی استدعا کی، بجائے خفیف و مخوف ہونے کے مع دوسرے

نمبرداروں کے ہمارے سر ہو گیا کہ کوٹھڑیوں سے باہر نکلنے کا تمہیں کس نے حکم دیا۔ بلاشبہ ہمارا کھڑے ہونا خلاف ضابطہ اور ایک جگہ جمع ہونا جرم تھا۔ مگر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارا دخل اس آتش مزاج پر تیل کا حکم رکھتا تھا۔ اپنی عافیت کا خیال تو ضرور آیا مگر دل کڑا کر کے کہا کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹ بتانے کے کیا معنی؟ آپ ہم سے ہزار گنا زیادہ جرم کر رہے ہیں۔ ہماری گفتگو اس کے اقتدار کے لیے چیلنج تھی۔ وہ غصے سے بے تاب ہو کر بولا کہ فوراً کوٹھڑی میں چلے جاؤ، ہم ایسا ہی کریں گے۔ اس کے بغیر جیل کا انتظام قائم نہیں رہ سکتا۔ اس کے چلے جانے کے جانے کے بعد خیال آیا کہ یہ ضرور کوئی آفت ڈھائے گا۔ ساتھ ہی ہمیں یہ معلوم ہوا کہ مضروب مرگی کی نامراد مرض سے لاچار اور مجبور ہے۔ اس کا تمام جسم گر گر کے زخمی ہو رہا ہے اور اسی مرض سے اس کے ہوش درست نہ تھے۔ اس کی قابل رحم حالت کو دیکھ کر ہم نے ارادہ کیا کہ جو ہو سو ہو یہ وقعہ سپرنٹنڈنٹ کے گوش گزار کر دینا چاہیے۔ سپرنٹنڈنٹ نے ہمارے تحریری بیانات لیے۔ بظاہر تو وہ اس واقعہ سے ایسے متاثر نظر آتے تھے کہ ہم سمجھے چیف وارڈر بیک بینی و دو گوش ملازمت سے علیحدہ کیا جائے گا۔ مگر چند دن کے بعد معلوم ہوا کہ رعب و سیاست انصاف پر غالب آئے۔ چیف وارڈر کو تحریری تنبیہہ کر کے معاملہ رفع دفع کر دیا گیا۔ ملزم تو چھوٹ گیا اب مدعی مارا گیا اور گواہان کی عزت پر بن گئی۔ اس واقعہ کے بعد مضروب کو میں نے کسی نہ کسی علت میں گرفتار پایا اور چیف وارڈر کی ہم پر ہمیشہ نظر عتاب رہی۔

ایک عجیب بدمعاشی:

جیل کے اندر بدمعاشی کا بہاؤ دربان کی نگرانی اور تلاشی کنندگان کی سرگرمی پر موقوف ہے۔ نگران کار جماعت اگر نرمی برتے تو اشیاء کا بھاؤ جیل میں سستا ہے۔ ورنہ ہر چیز میں تیزی ہے۔ قیدی تنگ آ جاتے ہیں۔ نشہ کھانے والوں کی جان پر آ بنتی ہے۔ انبالہ میں ایک ہیڈ وارڈر کو تلاشیوں کا بہت شوق تھا۔ قیدی سخت تنگ آ گئے تھے۔ بدمعاشی سونے کے بھاؤ بکنے لگی۔ ایک دن ایک مخبر نے ہیڈ وارڈر کو خبر دی کہ خداوند! ایک شخص کے پاس کچھ بدمعاشی ہے۔ ہیڈ وارڈر سر پر پاؤں رکھ کر گیا۔ ایک نمبر دار قیدی جوذات کا برہمن اور فتنہ پردازیوں میں وارڈر کا دست راست تھا...... وہ ساتھ لیتا گیا۔ مخبر کی نشاندہی کے بموجب ایک کونہ میں تھیلی پڑی ملی۔ برہمن نمبر دار نے شکر سے بھرپور سمجھ کر اٹھالی۔ ہیڈ وارڈر سے ایک سیاسی قیدی نے دریافت کیا کہ سردار صاحب کچھ تلاشی میں ملا؟ پنڈت صاحب نے چاپلوسی سے کہا کہ سردار صاحب کا وار کبھی خالی بھی جاتا ہے؟ یہ برسات کے دن تھے۔ موسلا دھار بارش ہو کر ابھی بادل کھلا ہی تھا۔ پنڈت کو تھیلی کچھ نمدار معلوم ہوئی۔ جس پر انہوں نے کہا: بارش سے شکر بھیگ گئی۔ سردار صاحب کی اجازت سے پنڈت جی نے تھیلی کا منہ نہ کھولا۔ تعفن سے سر پھر گیا۔ تھیلی چھوڑ کر الگ کھڑا ہو گیا کہ حرامزادے قیدیوں نے بدمعاشی کی ہے۔ تازہ پاخانہ تھیلی میں باندھ کر رکھ دیا۔ سردار صاحب اور پنڈت صاحب کے سر پر سو گھڑے پانی کے پڑ گئے۔ قیدی خوشی سے اچھلے کہ خوب مارا۔ جو سنتا ہے مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ دریافت و تحقیق پر بات کھلی کہ یہ بھنگی قیدیوں کا کام تھا۔

بدمعاشی کی آمد:

تمام بدمعاشی دروازہ کے راستہ نہیں لائی جاتی۔ بلکہ اکثر ملازم یا نمبر دار مل کر ایک وقت مقررہ کرتے ہیں اور جگہ

کا تعین کرتے ہیں۔ ملازم مال بازار سے لاتا ہے۔ وقت مقررہ پر جیل کی دیوار کے باہر کھڑا ہو کر پہلے اینٹ پھینکتا ہے۔ اندر نمبردار جوابی اینٹ باہر پھینک کر اپنی حاضری کی اطلاع دیتا ہے۔ نیز اس کے یہ معنی بھی لیے جاتے ہیں کہ اب کوئی خطرہ نہیں اور کوئی غیر دیکھنے والا نہیں۔ جب باہر کھڑے ملازم کو جوابی اینٹ سے اطمینان ہو جاتا ہے۔ تو اشیاء خرید کردہ دیوار سے اندر پھینک دیتا ہے جسے نمبردار اٹھا لیتا ہے۔ ایک دن میں اسی طرح کوٹھڑی کے باہر ٹہل رہا تھا۔ کہ اچانک ایک پختہ اینٹ میرے پاس آ گری۔ اتفاق سے نمبردار ملازم اس جگہ کوئی موجود نہ تھا۔ مجھے شرارت سوجھی میں نے جوابی اینٹ باہر پھینکی۔ جلدی ہی دھڑا دھڑ تھیلیاں گرنی شروع ہو گئیں۔ ایک میں جلیبیاں ایک میں شکر اور ایک بکس سگریٹ میں نے اٹھا اٹھا کر ایک خالی کوٹھڑی میں لا رکھا۔ شکار نکلنے کے بعد شکاری بھی آ نکلے، ادھر ادھر تلاش کرنے لگے۔ زمین تو نگل نہ گئی تھی، میں ہی ایک تنہائی کا قیدی تھا اس لیے مجھے آ کر پوچھا۔ میں نے نمبردار کو کہا کہ اشیاء تو مل جائیں گی مگر آئندہ کبھی بغیر مجھے اطلاع دیئے بے خبری میں اینٹ پتھر نہ برسانا۔ اگر آج لیا دیا کام نہ آتا تو اینٹ سے میرا خاتمہ ہی تھا۔

دروازہ سے بدمعاشی نہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ دربان کو ہر ملازم کی تلاشی کا اختیار ہے۔ ملازموں کی اکثر آپس میں ناچاقی رہتی ہے وہ ہمیشہ ایک دوسرے کی گھات میں ہوتے ہیں۔ وارڈروں کو دربان کا کھٹکا اور دربان کو داروغہ کا خوف۔ اگر وارڈر دربان کا گھونگٹ ایک بھی ہو تو بھی دربان کو حصہ رسدی دینا پڑتا ہے۔ اس لیے دروازہ کی بجائے اکثر ملازم دیوار کے اوپر سے بدمعاشی پھینکنے کا انتظام کرتے ہیں۔

قیدی عہدہ دار:

ملازمین ہی جیل کے انتظام کے واحد ذمہ دار نہیں ہوتے۔ بلکہ قیدی کو بھی انتظامی اغراض کے لیے عہدہ دار بنا دیا جاتا ہے۔ جس وقت قیدی کی مدت سزا میں سے چوتھا حصہ خوش چلنی میں گزر جاتا ہے۔ تو مشقت سے آزادی دے کر اسے نگرانی پر لگا دیا جاتا ہے۔ قیدیوں میں تین قسم کے عہدہ دار ہوتے ہیں۔ چوتھائی قید کاٹنے پر حسب قاعدہ قیدی کو ایک نشانِ نگرانی جس کو بلّا کہتے ہیں ملتا ہے۔ مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ کیونکہ بھینٹ دیئے بغیر حصول مدارج ناممکن ہے۔ بلا دینے والا داروغہ کوئی نہ کوئی نقص قیدی میں دھر دیتا ہے۔ بلّے والا بننے کے لیے بیس سے پچیس روپیہ تک داروغہ اور دیگر ملازمین کا منہ میٹھا کرنے کو مٹھائی کا خرچ دینا پڑتا ہے۔ بلاّ والا بن کر قیدی بلا بن جاتا ہے اور اپنے آپ کو عام قیدیوں سے کچھ بالا سمجھنے لگتا ہے۔ کیوں نہ ہو آخر عہدہ دار ہے۔ چار آنہ ماہوار وظیفہ اور چار دن کی قید مہینے میں تخفیف ہوتی ہے۔ اپنی گزشتہ مصائب اور بے کسی کی حالت کو بالکل بھول جاتا ہے دوسرے قیدیوں کو گھورتا ڈراتا دھمکاتا ہے۔ اگر جیب بھاری ہو اور داروغہ کو خوش رکھا تو نمبردار کا عہدہ مل جاتا ہے۔ سیاہ وردی، بارہ آنہ ماہوار، چھ دن قید میں تخفیف، بارہ (۱۲) آنہ سے ۴ آنے کاٹ کر لنگائی (رشوت) دینی پڑتی ہے۔ موجودہ طرز حکومت میں نمبرداروں اور ذیلداروں کا جس طرح ایک ذلیل فرقہ موجود ہے، جنہیں جلب منفعت اور ترقی درجات کے لیے ناجائز وسائل استعمال کرنے سے عار نہیں ہوتا۔ اسی طرح جیل میں یہ نمبردار تہذیب انسانی کو بالائے طاق رکھ کر قیدیوں کو تنگ اور ملازمان کو خوش کرنے کے لیے تمام ذرائع کام میں

لاتے ہیں۔ ان کے ضمیر ایسے مردہ ہو چکے ہوتے ہیں کہ انہیں ایک لمحہ کے لیے بھی خیال نہیں آتا کہ وہ کبھی ان قیدیوں کی طرح نذرِ مصائب و آلام تھے۔ جنہیں وہ آج تنگ کر رہے ہیں۔ قصہ کوتاہ یہ نمبر دار جنہیں کالی والے کہتے ہیں۔ اپنے زیر نگرانی قیدیوں کو تنگ کرنے کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے۔ جب کالی والا نمبر دار جنس ایمانی کی ارزانی اور ضمیر کشی کے متواتر ثبوت دے تو اس پیلی وردی دے کر اس کی ترقی کر دی جاتی ہے۔ آٹھ روز قید میں تخفیف، ایک روپے ۴ آنے تنخواہ۔ جس میں چار آنے وردی کی رنگائی کی کٹوتی ہوتی ہے۔ روپیہ ماہوار پر یہ پیادہ ایمان فروشی کے لیے ایسی کئی کوشش کرتا ہے کہ اس کے عمل سے نہیں بلکہ شکل کو دیکھ کر نفرت اور حقارت کے جذبات دل میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ عام قیدیوں میں ان عہدہ داروں کے مقابلہ پر خودداری زیادہ ہوتی ہے۔ ان عہدہ دار قیدیوں کو ملازمین کھڑے کھڑے ہزار سناتے ہیں مگر وہ ایک خاطر میں نہیں لاتے۔

جیل کے جرائم:

جیل میں جملہ قسم کی رعائتیں خریدی جا سکتی ہیں یا یوں سمجھو کہ بغیر خرچ کیے میسر نہیں آسکتیں۔ مراعات خرید کر بھی قائم رکھنا۔ حکام جیل کی خوشنودی مزاج پر منصر ہے۔ جیل میں سب سے بڑی رعایت قید کی کٹوتی ہے کیونکہ آزادی دنیا میں عجیب چیز ہے۔ جیلر قیدیوں کو اسی رعایت کا لالچ دے کر کثیر رقم وصول کرتا ہے۔ داروغہ کی چاندی اسی میں ہے کہ سپرنٹنڈنٹ کو موم کا ناک بنائے رکھے۔ کیونکہ خود داروغہ کو سوائے سفارشی اختیار کے مراعات دینے یا لینے کا اختیار نہیں ہوتا۔

بعض بیوقوف قیدی داروغہ کو ماہانہ نذرانہ دے کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ رشوت محض مشقتِ روزانہ سے مخلصی دلاتی ہے، متعدد قسم کی دوسری ذمہ داریوں سے بریت نہیں دلا سکتی۔ جیل کے جرائم پر نظر غائر ڈال کر دیکھئے، یہاں ہر حرکت داخلِ جرم ہے۔ بھوک سے بڑھی روٹی کسی کو دینا، یا کسی کے حصے سے خود لینا، دھار دار چیز تو خیر...... اینٹ، مٹی، کاغذ وغیرہ معمولی اشیاء تک کو پاس رکھنا قابلِ مواخذہ ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ قیدی کے پاس اٹھ جانا، اونچی آواز اٹھانا، زور سے ہنسنا، گانا...... حتی کہ بار بار پاخانہ جانا بھی جیل میں جرم ہے۔ فرشتہ صفت انسان بھی قوانین جیل کی خلاف ورزی کا مجرم ہے۔ غلامی کی یہاں انتہا اور بے بسی کی یہاں حد ہے۔ جیل کے قوانین کی تمام و کمال پابندی کی کوشش کم از وہم نہیں۔ ان جرائم کی وسعت اور ہمہ گیری پر غور کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ قیدی ملازمان جیل کے اسی طرح رحم و کرم پر ہوتے ہیں جس طرح کہ چوہا بلی کے چنگل میں روز نئی مصیبت کا سامنا کرتا ہے۔ ملازمین اسی تاک میں رہتے ہیں کہ کب کسی پر انگلی رکھنے کا موقع ملے تو مٹھی گرم ہو۔

ملازمان جیل کی آمدنی کے یہی ذرائع نہیں جو بیان ہوئے بلکہ تمام خرید کردہ یا فروخت شدہ اشیاء میں کمیشن حاصل کی جاتی ہے۔ بعض اوقات اسی پر اکتفا نہیں ہوتی بلکہ خرید و فروخت کرنے والوں سے علاوہ کمیشن کے نذرانہ علیحدہ لیا جاتا ہے۔ حتی کہ سبزی ترکاری تک کا سودا کیا جاتا ہے۔ ملازمین جیل کو اس ہیر پھیر میں جتنا نفع ہوتا ہے، قیدی کو اسی قدر نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ اپنے لالچ سے محکمہ کا مال قیمت پر دیا اور قیدی کے لیے گراں قیمت پر لیا جاتا ہے۔

مجرم کی ورثا سے ملاقات بھی ایک زرخیز کام ہے۔ تین ماہ کے بعد عام قیدیوں کو ملاقات کا حق اور خط لکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ دور دور سے قریبی آتے ہیں، ملاقات کے لیے درخواست دیتے ہیں، داروغہ یا نائب سر پھیر دیتا ہے کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا، اس کی ملاقات مشکل ہے کیونکہ ابھی تین مہینے پورے نہیں ہوئے۔ یا یہ عذر ہوتا ہے کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ اس کی ملاقات ہو چکی ہے۔ بیچارے رشتہ دار دس بیس روپے کرایہ دے کر سفر کی صعوبت اٹھا کر آتے ہیں۔ ملاقات سے انکار سن کر پریشان ہو جاتے ہیں۔ داروغہ کا اردلی یا نگران کار قیدی کو آ کر سمجھا جاتا ہے۔ آپ شریف آدمی ہیں اتنی تکلیف کر کے آئے ہیں دیکھو میں کچھ بندوبست کر دیتا ہوں، فکر نہ کرو۔ مگر تم جانتے ہو کہ دنیا میں لیے دیے کے بغیر کام نہیں ہوتا۔ دو روپیہ ملاقات کا نذرانہ تو عام ہے...... خاص حالتوں میں ۱۰-۱۵ روپیہ بہرِ ملاقات حاصل کیے جاتے ہیں۔ دن میں بیسیوں ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ ملاقات کرنے والے ملازم کا تو خیر...... ہر روز قیدی اردلی کا گلا بھر بھر کر منہ کو آتا ہے۔

گونا:

گلا بھر بھر کر منہ کو آنا جیل کا نیا محاورہ ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک یہ نہ بتا دیا جائے کہ قیدی ہمیشہ روپیہ پیسہ گلے (حلق) کے اندر محفوظ رکھتا ہے جس کو گونا کہتے ہیں۔ چونکہ تلاشی کا ہر وقت احتمال رہتا ہے اس لیے روپیہ پیسہ اپنے پاس رکھنا ناممکن ہے اور روپیہ پیسہ کو بغیر پانی کی طرح بہانے کے یہاں زیست مشکل ہے۔ اس لیے کسی نہ کسی جگہ رکھنا ضروری ہے۔ بعض بیوقوف اناڑی قیدی خوف تلاشی سے عضو تناسل کے ساتھ روپیہ باندھ لیتے ہیں اور بعض سرین میں دے لیتے ہیں۔ مگر انہیں جلدی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ محفوظ جگہ نہیں۔ تلاشی لینے والے ملازم ہمیشہ انہی مقامات کو آ کر ٹٹولتے اور ٹانگوں کو چوڑا کر کے دیکھتے ہیں۔ اس لیے قید خانہ کے مسلسل تجربہ نے انہیں بتا دیا ہے کہ حلق ہی ایسی جگہ ہے۔ جہاں روپیہ حفاظت سے رکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اول سکہ کی گولی بنائی جاتی ہے۔ اور چونہ پیاز وغیرہ کی آمیزش کر کے ململ کے ٹکڑہ پر لگا کر اسے سکہ کی گولی پر چپکا دیا جاتا ہے۔ اور اس گولی کو دھاگے سے باندھ کر حلق میں ایک طرف لٹکا کر دھاگا دانتوں میں دبائے رکھتے ہیں۔ چونہ اور پیاز کا تیزابی اثر ظاہر ہوتا ہے۔ وہ نازک ریشوں کو کاٹ کر حلق میں گولی کی شکل کا گڑھا سا بنا دیتا ہے۔ اول اول تو قیدی کو کھانے پینے میں بھی تکلیف ہوتی ہے، اکثر قے ہوتی ہے۔ مگر پھر جلدی ہی زخم مندمل ہو جاتا ہے۔ اس گڑھے کو جو حلق میں بن جاتا ہے، قیدی گونا کہتے ہیں۔ بعض قیدی اس کو اتنا گہرا بنا لیتے ہیں کہ کئی کئی روپے اس میں رکھے جا سکتے ہیں۔ اگر قیدی کے پاس روپے زیادہ ہوں تو وہ روپے کے پونڈ خرید لیتا ہے۔

آپ دریافت کریں گے کہ قیدی روپے کے پونڈ اندر کس طرح لاتا ہے۔ اس کا بیان چنداں مشکل نہیں، جس طرح روپیہ پر ۲ آنے محصول دے کر اشیائے خوردنی منگوائی جاتی ہیں۔ اسی طرح روپیہ بھی ورثا سے منگوایا جاتا ہے۔ اگر اس سے زیادہ لالچ ملازموں کو دیا جائے تو وہ خود ہی قیدی کے پتہ دینے پر اس کے وارثوں سے خط و کتابت کرتے ہیں یا قیدی سے خط یا کوئی نشان لے کر یہ وارثوں کو بھیج دیتے ہیں اگر قیدی کو اشد ضرورت ہو اور ملازم کے لیے اور زیادہ کشش پیدا کر دی جائے تو وہ خود چھٹی لے کر جاتا ہے۔ یا اپنے کسی تعلق دار کو بھیج کر قیدی کے عزیز و اقارب سے روپیہ منگوانے کا

بندوبست کر دیتا ہے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ملازم کی نیت بدل جاتی ہے۔ وہ قیدی کے اقربا سے تو رقم وصول کر لیتا ہے۔ مگر حقدار قیدی کو نہیں پہنچاتا۔ بہر حال یہ معاملہ ملازم کے رحم وکرم پر ہوتا ہے، کیونکہ آخر ملازم ہی تو ایک ذریعہ ہے۔ جیل میں روپیہ آنے کی اور کوئی دوسری صورت نہیں ہوتی۔ مزے کی اور بات یہ ہے کہ اگر پونڈ شرح تبادلہ ہے۔ اور پونڈ بھیج کر باہر سے روپے منگوانے ہوں تو ۱۵ روپے کی بجائے ۱۲ روپے دیے جاتے ہیں۔

گونے میں روپے پونڈ نہایت حزم واحتیاط سے ڈالے جاتے ہیں۔ ورنہ بعض دفعہ غفلت سے ایسا بھی ہوتا ہے کہ پونڈ بجائے گونے کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر ہر صبح پاخانہ دیکھنا پڑتا ہے اکثر قیدی کو جلاب لینے پڑتے ہیں تب جا کر کہیں مشکل کشائی ہوتی ہے گونے سے روپیہ پیسہ کھانا کھاتے وقت نکالنا پڑتا ہے۔ اس وقت خاص تکلیف ہوتی ہے جب کھانا کھاتے وقت افسر سر پر موجود ہوں۔ کیونکہ روپے کی ضبطی اور سزا کے خوف کی وجہ سے گونا سے مال نکالنے کی جرات نہیں ہوتی۔ چناچہ کھانا نہایت حزم واحتیاط سے آہستہ آہستہ اور ایک طرف سے نگلنا پڑتا ہے۔ ورنہ لقمہ کے ساتھ ہی مال کا بھی ڈکار بھر جاتا ہے۔

جیل اور رازداری کا پردہ:

رشوت کی گرم بازاری اور تشدد کے ناقابل انکار واقعات کے باوجود جیل کے حالات سے ملک ناواقف ہے۔ واقعات وحالات جیل کو پردۂ اخفا میں رکھنے کی جو سرکاری طور سے کوشش ہوتی ہے وہ نہایت قابل ملامت ہے۔ جیل کے راز ہائے دلگداز کو قانونی طور سے سربستہ کیا گیا ہے۔ اعلی سے لے کر ادنی ملازم جیل تک، ہر کوئی اسی میں اپنی خیر سمجھتا ہے کہ قیدیوں کا اندرونی درد دکھ باہر ان کے احباب تک نہ پہنچ سکے۔ جیل میں قیدیوں کی خط وکتابت پر ایسی پابندیاں لگا دی گئی ہیں کہ حق رسی کی توقع تو درکنار......موقع مناسب پر خیر وعافیت کی خبر ملنی بھی مشکل ہوتی ہے۔ بدترین قسم کے مظالم یا انتظامی خرابی کے حالات روشنی میں لانے کی کوئی صورت نہیں۔ وزیٹر بلا وساطت وموجودگیٔ داروغۂ جیل کسی قیدی سے نہیں مل سکتا۔ قیدیوں کی درد وتکلیف کی داستان سننے اور آزادانہ طور سے تحقیق کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ جیل کے متعلق اس رازداری کی غرض مضمر کے متعلق کیا کہا جائے۔ حالانکہ اس محکمہ کے تمام اندرونی حالات سے پبلک کو زیادہ واقف بنانے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔

محکمہ پولیس نامی چور کی طرح ہے اور محکمہ جیل بگلے بھگت کی طرح کنارۂ عافیت پر بیٹھا قیدیوں کو......جو ان کے گھڑے کی مچھلیاں ہیں...... بے غل وغش کھا رہا ہے۔ میں محکمہ پولیس کے اعمال کی صفائی پیش نہیں کرتا، بلکہ پولیس اور جیل دونوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔ تاہم بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ افسران جیل کا نامۂ اعمال ملازمان پولیس سے زیادہ سیاہ اور بیکسوں کے خون کے چھینٹوں سے ان کا دامن زیادہ داغدار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پولیس کا جبر وقہر آزادوں پر ٹوٹتا ہے۔ جس کی شنوائی خواہ دربار سرکار میں نہ ہو مگر اس کی زاری سے فضائے ملک گونج اٹھتی ہے۔ جیل میں ظلم کی بجلی اور ستم کے آرے ان پر چلتے ہیں جو پابند اور زبان بند ہوتے ہیں۔

(جاری ہے)

مولانا شہزادہ آزاد سمبڑیالویؒ کی یاد میں

ڈاکٹر عمر فاروق احرار

ابوالبیان مولانا شہزادہ آزاد سمبڑیالویؒ کا شمار برصغیر کی اُن بے لوث شخصیات میں ہوتا ہے جو ذاتی مفادات اور شخصی نمائش سے بالاتر ہوکر قوم وملک کی فلاح وتعمیر کے لیے سرگرمِ عمل رہے۔ اُن کا اصل نام برکت علی تھا، جبکہ ایک روایت کے مطابق ابوالبیان کا خطاب اُنہیں امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ نے دیا تھا۔ آپ کی ولادت 17رفروری 1898ء میں ضلع سیالکوٹ کے علاقہ سمبڑیال میں ہوئی۔ سکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔تحریک خلافت سے سیاسی زندگی کی ابتدا ہوئی اور آزادیٔ وطن کی خاطر 1922ء میں آل انڈیا کانگریس میں شامل ہوگئے اور مدتوں قید وبند کے مراحل سے گزرتے رہے۔ بعدازاں مجلس احرار اسلام میں شمولیت اختیار کی اور 1931ء میں مجلس احرار اسلام کی جاری کردہ تحریک کشمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور پسِ دیوارِ زنداں بھیج دیے گئے۔ آپ پونچھ (کشمیر) میں طویل عرصہ قیام پذیر رہے، آزادیٔ کشمیر کے لیے اِنفرادی محنت وجدوجہد جاری رکھی اور 1934ء میں وہاں سے ایک اخبار ''ترجمانِ پونچھ'' بھی جاری کیا۔ قادیانیت کے خلاف احرار کی تحریک تحفظ ختم نبوت (1934ء) میں مصروفِ جہاد ہوئے اور منکرین ختم نبوت کی ریشہ دوانیوں کے سدباب کے لیے احرار رہنماؤں کی سرپرستی میں تحفظ ختم نبوت کا فریضہ انجام دیا۔ جنگ عظیم دوم میں فوجی بھرتی کے خلاف مہم میں احرار کارکنوں کے شانہ بشانہ حصہ لیا اور دار ورسن کی آزمائش سے گزرے۔

مولانا شہزادہ آزاد سمبڑیالوی کا نام پہلی بار ماموں جان جناب رفیق غلام ربانی رحمہ اللہ کی زبانی سنا جو خود حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا محمد گل شیر شہید رحمہ اللہ کے جانباز سپاہی اور مجلس احرار کے بے باک رہنما تھے، اُنہوں نے بتایا تھا کہ ''قیام پاکستان سے قبل میری اوائل عمری میں ''سرائے ہیرانند'' (نزد بلدیہ، تلہ گنگ، ضلع چکوال) میں تحریک آزادی کے سلسلہ میں ایک جلسہ منعقد ہوا تھا، جس میں ہندو، مسلم رہنماؤں نے شرکت کی تھی، اس جلسہ میں مولانا آزاد سمبڑیالوی نے بھی تقریر کی اور میری سیاسی زندگی کی ابتدا اُن کی پُرجوش تقریر سن کر ہی ہوئی تھی۔'' بعد میں کتابوں اور پرانے اخبارات وجرائد میں شہزادہ آزادؒ کے تذکرے پڑھنے کو ملے اور اُن کی انتھک جدوجہد، اخلاص اور بے غرضی نے بہت متاثر کیا۔ وہ تمام عمر وطن عزیز کی خدمت اور مسلمانوں کی فلاح کے لیے کوشاں رہے، اُن کی ذات نام ونمود سے بے نیاز اور صلہ وستائش سے بے نیاز تھی۔ وہ ایک ایسی بے چین روح کے حامل تھے کہ جس نے تادمِ آخر اُنہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیا، بلکہ جب تک اُن کے جسم وجاں میں سکت رہی، اُنہیں متحرک اور پابہ رکاب رکھا۔

مولانا شہزادہ آزاد سمبڑیالویؒ نے آزادیٔ وطن اور تحریک ختم نبوت کے علاوہ ہندوستان کی پسماندہ اور پسی ہوئی قوموں کو اُن کا مقام دلانے کے لیے طویل جدوجہد کی۔ وہ اس محاذ پر شروع ہی سے دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ اُن کی تحقیق کے مطابق معاشرے کی دھتکاری ہوئی ذات یعنی میراثی دراصل وہ قوم ہے جو علم میراث اور علم الانساب کی وارث تھی اور اُس کا سلسلہ نسب قوم قریش سے جا کر ملتا ہے۔ اُن کی اس رائے سے اُن کی زندگی میں بھی شدید اختلاف کیا گیا اور اَب بھی اختلاف کی گنجائش موجود ہے، مگر اُنھوں نے معترضین کے اٹھائے ہوئے نکات پر مشتعل ہونے کی بجائے ٹھوس دلائل و براہین سے اُن کا جواب لکھا۔ 1928ء میں اس موضوع پر اُن کی پہلی کتاب ''تاریخ القریش'' شائع ہوئی۔ 1928ء اور 1933ء کے دوران اُن کی پانچ کتابیں ''آئینہ قریش''، ''ردِالزام''، ''میراور پیر''، ''نسب دانی'' اور ''طبقاتی قومیں'' شائع ہوئیں اور اِسی عنوان ہی پر اُن کے قلم سے آخری کتاب ''تاریخ آزاد'' الموسوم ''تاریخ القریش'' نکلی۔ اپنی برادری کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے 1920ء جمعیت القریش کے نام سے ایک جماعت قائم کی، جس کی ہندوستان بھر میں شاخیں قائم ہوئیں۔ ''القریش'' کے نام سے ایک اخبار بھی سیالکوٹ سے جاری کیا۔ مولانا آزاد سمبڑیالوی نے اپنی قوم کے حقوق کی بحالی کے لیے نہ صرف تحریری اور تحقیقی مساعی سے کام لیا، بلکہ انھوں نے اس کے لیے قانونی جنگ بھی لڑی۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا آزاد سمبڑیالوی محکمہ تعلقات عامہ پنجاب کے پہلے آنریری سیکرٹری مقرر ہوئے۔ اس دوران بھی آپ کی قومی وفلاحی سرگرمیاں جاری رہیں، یہاں تک 1952ء میں فالج کے حملہ نے آپ کی متحرک شخصیت کو جامد کر دیا اور پندرہ برس تک اپنے آبائی علاقہ سمبڑیال میں بستر علالت پر رہے۔ بالآخر ساری زندگی طاغوتی قوتوں سے پنجہ آزما رہنے والی یہ بیباک شخصیت 26؍جون 1967ء کو موت کے ہاتھوں جان ہار گئی۔ سمبڑیال ضلع سیالکوٹ کا قبرستان ''وڈا باغ'' آپ کا مسکن ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی قبر کو اَپنی رحمتوں سے معمور رکھے اور اُن کی خدمات کو اَپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے، آمین۔

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپئیر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

احرار کا چراغِ مصطفویؐ......قادیاں کا شرارِ بولہبی (قسط:۱)

آغا شورش کاشمیری رحمہ اللہ

اُن تمام تحریکوں کے باوجود جو ہندوستانی مسلمانوں میں برطانوی وفاداری کی فصل اگا چکیں اور پھل دے رہی تھیں، انگریز جہاد کی روح سے بدستور ہراساں تھا۔ اس کے لیے ۱۸۸۰ء کے بعد بنگال میں کوئی خطرہ نہ رہا تھا۔ اس نے ہندو اکثریت کے تمام صوبے اپنی مٹھی میں اس طرح کیے تھے کہ ان میں جہاد خارج از بحث ہو چکا تھا۔ صوبہ جات متحدہ میں مسلمان ایک ثقافتی طاقت رہ گئے تھے اور اپنے اپنے سرداروں کی ملکیت تھے۔ ان سرداروں پر انگریزوں نے کچھ اس طرح قبضہ پالیا تھا کہ ان سے جہاد کا پیدا ہونا ناممکن ہو چکا تھا، لیکن انگریز کے استعماری منصوبوں کی نگاہیں ہندوستان سے ملحق مسلمان ریاستوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔

جنگ امبیلہ ۱۸۶۳ء کے فوراً بعد انگریزوں نے جہاد کی پاداش میں پانچ مقدمہ ہائے سازش قائم کیے۔ پہلا مقدمۂ سازش انبالہ ۱۸۶۴ء میں، اس میں گیارہ ملزم تھے۔ دوسرا مقدمۂ سازش پٹنہ ۱۸۶۵ء میں، تیسرا مقدمہ سازش راجہ محل ۱۸۷۰ء میں، چوتھا مقدمۂ سازش پٹنہ میں اور پانچواں مقدمۂ سازش ۱۸۷۱ء میں پٹنہ ہی میں اس کے سات ملزم تھے۔ ان مشہور مقدمات کے علاوہ اور کئی مقدمے قائم کیے گئے۔ ان کے ماخوذین کی استقامت نے انگریزی حکومت کو سخت پریشان کیا، کئی ایک ملزم جنہیں موت کی سزا دی گئی، ان کی سزا اس بنا پر عمر قید میں بدلی گئی کہ وہ موت سے پیار کرتے تھے اور شہادت کی لگن میں اُن کا وزن بڑھ گیا تھا۔ انگریز محسوس کرتا تھا کہ جہاد کا شعلہ کسی وقت بھڑک سکتا ہے۔ گو انگریزوں نے پنجاب کے (غداروں کے تعاون کے) بل پر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو ختم کیا اور تجربہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ اس صوبہ کا سپاہی اس کے لیے بہت بڑی متاع ہے۔ لیکن برطانوی استعمار کے آئندہ ارادے مسلمان رعایا کو جس سانچہ میں ڈھالنا چاہتے تھے، ان کا خاکہ عجیب وغریب تھا۔ خلافت عثمانیہ، برطانیہ اور اس کے نصرانی اتحادیوں کی نگاہ میں تھی اور وہ اس کی بندر بانٹ کا منصوبہ تیار کر چکے تھے۔ ان کے پیش نظر ترکوں اور عربوں کو ایک دوسرے سے بھڑانا ہی نہیں تھا بلکہ عربوں کو مختلف ریاستوں میں بانٹ دینے کا منصوبہ ان کے ذہن میں تھا۔ اس منصوبہ کے لیے پنجابی سپاہی منتخب کیا گیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ (پنجاب) کی کچہری میں ایک معمولی تنخواہ پر (۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۸ء) ملازم تھا۔ ملازمت کے دوران سیالکوٹ کے پادری مسٹر بٹلر ایم۔ اے سے رابطہ پیدا کیا۔ وہ اس کے پاس عموماً آتا اور دونوں اندر خانہ بات کرتے۔ بٹلر نے وطن جانے سے پہلے اس سے تخلیہ میں کئی ایک طویل ملاقاتیں کیں۔ پھر اپنے ہم وطن ڈپٹی کمشنر کے ہاں گیا، اس سے کچھ کہا اور انگلستان چلا گیا۔ ادھر مرزا قادیانی استعفیٰ دے کر قادیان آ گیا۔ اس کے

تھوڑے عرصہ بعد مذکورہ وفد ہندوستان پہنچا اور لوٹ کر محولہ رپورٹیں مرتب کیں۔ ان رپورٹوں کے فوراً بعد ہی مرزا قادیانی نے اپنا سلسلہ شروع کر دیا۔

برطانوی ہند کے سنٹرل انٹیلی جنس کی روایت کے مطابق ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے چار اشخاص کو انٹرویو کے لیے طلب کیا۔ ان میں سے مرزا قادیانی نبوت کے لیے نامزد کیا گیا۔

مرزا قادیانی کی پہلی تصنیف براہین احمدیہ (صفحات: ۵۶۲) چار حصوں میں شائع ہوئی، ۱۸۸۰ء میں پہلے دو حصے شائع ہوئے، ۱۸۸۲ء میں تیسرا اور ۱۸۸۴ء میں چوتھا۔ اس کے دوسرے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم۔ اے کی تالیف سلسلۂ احمدیہ کے مطابق '' آپ کو ماموریت کا تاریخی الہام مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا''۔ اس سے پہلے اس نے ۱۸۸۰ء میں ملہم من اللہ ہونے کا اعلان کیا اور اپنے مجدد ہونے کا ناد پھونکا۔ دسمبر ۱۸۹۱ء میں اپنے مسیح موعود ہونے کی خبر دی اور ظلی نبی ہونے کی اصطلاح ایجاد کی، پھر ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا، اور نومبر ۱۹۰۴ء میں کرشن ہونے کا اعلان کیا۔ یہی وہ سال تھے جب انگریزی سیاست اپنے استعماری عزائم کو پروان چڑھانے کے لیے پنجاب اور سرحد کے مسلمانوں کا شکار کر رہی تھی اور اس کے سامنے بیرون ہندوستان کی مسلمان ریاستوں کو اپنے دام میں لانے کا منصوبہ بھی تھا۔ مرزا قادیانی ان نکات کا جامع ہو کر سامنے آیا، جو انگریزوں کے ذہن میں تھے۔ اس نے انگریزی سلطنت کے استحکام و اطاعت کی بنیاد اپنے الہام پر رکھی اور ایک نبی کا روپ دھار کر انگریزی سلطنت کی وفاداری سے انحراف کو جہنم کی سزا کا مستحق قرار دیا۔ اپنی ربانی سند کے مفروضہ پر جہاد کو منسوخ کر ڈالا اور ان لوگوں کو حرامی قرار دیا جو اس کے بعد جہاد کا نام لیتے یا اس کی تلقین کرتے تھے۔

ہندوؤں میں آریہ سماج نامی ایک پروگریسو فرقہ اٹھ رہا تھا، سوامی دیانند اس کے بانی تھے۔ مرزا قادیانی نے اس فرقہ کو ہدف بنا کر ہندو دھرم پر رکیک حملے کیے، نتیجتاً آریہ سماج نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و اسلام کے خلاف دریدہ دہنی کا آغاز کیا۔ اسی طرح مرزا قادیانی نے عیسائی مشنریوں کے خلاف ہُد ھر چایا۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق نازیبا زبان استعمال کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشنریوں کی زبان کھلوائی، نتیجتاً پنجاب کے مسلمان جہاد سے رو گردان ہو کر ہندو دھرم اور عیسائی مذہب سے نبرد آزما ہو گئے، محاذ کا رخ پلٹ گیا۔ مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت سے خود مسلمانوں میں ایک ایسا محاذ کھل گیا کہ علماء کے لیے ختم نبوت کا مسئلہ حفظِ ایمان کے لیے ضروری ہو گیا۔ مرزا قادیانی نے مسلمانوں کے حصارِ وحدت کو منہدم کرنے کے لیے ایک ایسی کدال اٹھائی کہ وہ انگریزوں کے خنجر کو بھول کر اس کدال کے پیچھے پڑ گئے۔ گو مسلمانوں کے ہر دائرہ میں انگریزوں کی ہر خواہش پورا کرنے کے لیے مختلف افراد پیدا ہو چکے تھے، لیکن مرزا قادیانی اس رعایت سے ان سب کا جامع تھا کہ جہاں انگریز اپنے قلعے مضبوط رکھنا چاہتا تھا۔ وہاں مرزا نے ''حواری نبی'' ہونے کا دعویٰ کر کے اس ضرورت کا سفر شروع کیا۔ ادھر علماء کے محاسبہ سے مرزا کی شہرت کا آغاز ہو گیا اور یہی وہ چاہ رہے تھے، ورنہ مرزا خود ''حقیقۃ الوحی'' کے صفحہ ۲۱۱ پر تسلیم کرتا ہے کہ:

''ہماری معاش کا دارومدار والد کی ایک مختصر آمدنی پر تھا۔ اور بیرونی لوگوں میں ہمیں ایک شخص بھی نہیں جانتا تھا۔ میں ایک گمنام انسان تھا، جو قادیان جیسے ویران گاؤں کے زاویۂ گمنامی میں پڑا ہوا تھا''۔

مرزا نے عیسائیوں اور آریوں سے مناظرے کی آڑ میں مسلمانوں سے چندہ مانگنا شروع کیا، تو تین لاکھ سے زائد روپیہ جمع ہوگیا (حقیقۃ الوحی)۔ اپنے الہامات کو مدار بنا کر انگریزی حکومت کی تائید وحمایت میں اس قدر کتابیں لکھیں کہ ''تریاق القلوب'' (مصنفہ مرزا غلام احمد) صفحہ ۱۵ کے مطابق وہ تمام کتابیں اکٹھی کی جائیں تو ان سے ۵۰ الماریاں بھر سکتی ہیں۔ انگریز اسلامی ملکوں میں اپنے آئندہ منصوبوں کے لیے نقب لگا رہا تھا۔ مرزا کی اطاعت وحمایت کے مذکورہ پلندے اس منصوبہ کا راشن تھا۔ ان کتابوں سے عربی فارسی اور انگریزی میں تراجم کرائے گئے۔ پھر ان کتابوں اور مرزا کے سینکڑوں اشتہاروں کو عرب، مصر، شام، کابل اور روم بھجوایا گیا۔ (ملاحظہ ہو: انقلاب مصنفہ مرزا قادیانی) مرزا نے اس مہم کے سلسلہ میں بہت سے کتابچے کئی ایک کتابیں اور بے شمار خطوط اور اشتہار شائع کیے۔ ان سب کا لب لباب یہ تھا کہ مسلمان سلطنت برطانیہ کے سچے خیرخواہ ہوجائیں۔ خونی مہدی اور خونی مسیح کی بے اصل روایتوں کو ترک کر دیں اور جہاد کو جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں''۔ (تریاق القلوب صفحہ ۱۵)

مرزا نے اپنی کتاب ''شہادت القرآن'' میں اپنے ایک اشتہار کو صفحہ ۳ پر نقل کیا ہے۔ لکھتا ہے:

''میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں۔ یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا اور ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں پناہ دی ہے اور وہ سلطنت برطانیہ ہے''۔

ایک دوسری کتاب ''تبلیغ رسالت'' جلد ہفتم کے صفحہ ۱۰ پر لکھتا ہے: کہ میں اس وقت ساٹھ برس کا ہوں اس عمر تک اسی ایک اہم کام میں مشغول ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں کو حکومت انگلشیہ کی سچی محبت، خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیر دوں اور کم فہموں کے دلوں سے جہاد کا غلط خیال دور کر دوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں پر میری تحریروں کا بہت ہی اثر ہوا اور لاکھوں انسانوں میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔''

تبلیغ رسالت جلد ششم کے صفحہ ۶۵ پر گورنمنٹ کے نام ایک عریضہ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ: میں نے بیسیوں کتابیں عربی، فارسی اور اردو میں اس غرض سے لکھی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے جہاد ہرگز درست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ میں نے یہ کتابیں بصرف زر کثیر چھاپ کر بلاد اسلامیہ میں پہنچائیں۔ ان کتابوں کا بہت سا اثر اس ملک پر بھی پڑا ہے۔'' اسی عریضہ میں درج ہے کہ ''میرے مریدوں کی ایک جماعت تیار ہوئی ہے، جو اس

گورنمنٹ کے دل و جاں نثار ہیں۔'' ایک دوسری جگہ رقم طراز ہے: ''میں نے اس مضمون کی ۵۰ ہزار کے قریب کتابیں رسائل اور اشتہارات چھپوا کر ملک اور دوسرے بلاد اسلام میں بھجوائے ہیں کہ انگریزی حکومت ہم مسلمانوں کی محسن ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اللہ کا شکر گزار ہو اور دعا گو رہے۔ میں نے یہ کتابیں اسلام کے دو مقدس شہروں مکہ اور مدینہ میں بھی بخوبی شائع کی ہیں۔ اس کے علاوہ روم کے پایۂ تخت قسطنطنیہ، بلادِ شام، مصر اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا ان کی اشاعت کی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ مجھے اس خدمت پر فخر ہے، برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی کوئی نظیر کوئی مسلمان نہیں دکھلا سکتا۔ (ستارۂ قیصریہ ۳)

غرض مرزا خود ساختہ نبوت کے بل پر جہاد کی تنسیخ اور ممانعت کے لیے لگا تار الہام پر الہام شائع کرتا رہا اور ان الہامات و نگارشات سے بھری ہوئی کتابیں عربی، فارسی اور انگریزی میں ترجمہ ہو کر برطانوی عملداری کی معرفت ان تمام ممالک میں تقسیم ہوتی رہیں جو اس وقت تک برطانوی اقتدار میں آ چکے اور باقی اس کی استعماری نگاہ میں تھے۔ ''منارۃ المسیح'' کی تعمیر کے لیے فراہمی چندہ کے اشتہار میں مرزا نے لکھا کہ: (بہ تلخیص) ''اس مینار کو کسی حصۂ دیوار میں نصب کرایا جائے گا کہ آسمان کے دروازوں کے کھلنے کا وقت آ گیا۔ اب سے زمینی جہاد بند کیے گئے اور لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ آج سے دین کے لیے لڑنا حرام کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو دین کے لیے تلوار اٹھاتا ہے اور غازی کہلا کر قتل کرتا ہے، وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔

تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۱۷ پر لکھا ہے کہ:

> ''جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے، کیونکہ مجھے مسیح و مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔''

مرزا نے ایک رسالہ نور الحق تصنیف کیا۔ اس میں لکھا کہ: ''اس حکومت کے پاس میرا کوئی ہمسر اور نصرت و تائید میں مثیل نہیں۔ میرا وجود انگریزی حکومت کے لیے ایک قلعہ ایک حصار اور تعویذ کی حیثیت رکھتا ہے۔''

مرزا نے اطاعت برطانیہ اور حرمت جہاد کے سلسلہ میں بلاشبہ ایک ضخیم دفتر مرتب کیا۔ تبلیغ رسالت میں واضح طور پر اقرار کیا کہ: ''میرے پانچ اصول ہیں جن میں دو حرمت جہاد اور اطاعت برطانیہ ہیں۔''

مرزا کے فرزند مرزا محمود احمد نے تنسیخ جہاد کے موروثی سوال پر کہا: ''بعض احمق سوال کرتے ہیں۔ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ یہ گورنمنٹ ہماری محسن ہے اس کا شکریہ ادا کرنا فرض اور واجب ہے۔ محسن کی بدخواہی ایک بدکار اور حرامی کا کام ہے۔'' (الفضل جلد ۲۷۔ ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۹ء)

پہلی جنگ عظیم ۱۸-۱۹۱۴ء میں عرب ریاستوں کے احوال و آثار اور اسرار و وقائع چوری کرنے کے لیے مرزا

محمود نے اپنے پیروؤں کی ایک کھیپ مہیا کی۔ ہندوستانی فوج کی ہر کمپنی کے ساتھ جاسوسی کے فرائض انجام دینے کے لیے ایک یا دو قادیانی منسلک کیے گئے۔ کئی ایک معتمد ترکی بھیجے گئے جنھوں نے مقامی ملازمت کے پردے میں سکاٹ لینڈ یارڈ کی حسب ہدایت کام کیا۔ دمشق میں مرزا محمود کا سالا ولی اللہ زین العابدین ترکوں کی پانچویں ڈویژن کے انچارج جمال پاشا کی معرفت قدس یونیورسٹی میں دینیات کا لیکچرار لگ گیا لیکن جس روز انگریزی فوج دمشق میں داخل ہوئی وہ انگریزی کمانڈر کے ماتحت ہو گیا اور کئی ایک معتمد ترکوں کے قتل کرانے میں حصہ لیا۔ اس کا چھوٹا بھائی میجر حبیب اللہ شاہ فوج میں ڈاکٹر تھا۔ اس کو بغداد فتح ہونے پر عارضی گورنر مقرر کیا گیا۔ جب ۱۹۲۴ء میں عراقی حکومت کو مرزائیوں کے خدوخال کا پتہ چلا تو ان کی غدارانہ سرگرمیوں کے باعث ان سب کو وہاں سے نکال دیا۔ مرزا محمود نے جمعہ کے خطبہ (مطبوعہ الفضل ۳۱/اگست ۱۹۲۳ء) میں اعتراف کیا کہ: ''عراق فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہایا اور میری تحریک پر سیکڑوں لوگ بھرتی ہو کر گئے''۔

مرزا محمود نے مصطفیٰ کمال کو قتل کرنے کے لیے اپنے ایک معتمد نوجوان مصطفیٰ صغیر کا انتخاب کیا۔ اس کو انگریزی حکومت نے مرزا معراج دین سپرنٹنڈنٹ سی آئی ڈی کے ہمراہ ترکی روانہ کیا لیکن وہ اقدام قتل سے پہلے پکڑا گیا اور پھانسی پا گیا۔ میر سعد حیدر آبادی مکہ مکرمہ میں قادیانی مشن کا انچارج تھا اور وہاں برطانوی محکمہ جاسوسی کے ایک اہم عہدیدار کرنل ٹی۔ ڈبلیو لارنس کی ہدایت پر کام کرتا تھا۔ لیکن جب عربوں کو اس کا پتہ چلا تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہو گیا۔ شام میں جلال الدین شمس کو مقرر کیا گیا لیکن جب اہل شام کو معلوم ہوا کہ برطانوی جاسوس ہے تو ۲۷/دسمبر ۱۹۲۷ء کو اس پر قاتلانہ حملہ کیا گیا لیکن وہ بچ گیا۔ آخر عراق میں برطانوی گرفت ڈھیلی پڑنے پر ۱۷/مارچ ۱۹۲۸ء کو حیفہ آ گیا۔

اس کے بعد برطانوی سرکار کی ہدایت پر فلسطین کو قادیانی کارندوں کا ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ وہاں برطانیہ کی جاسوسی کے محکمہ کا افسر اعلیٰ ایک یہودی تھا۔ قادیانی مشن کو اس کے ماتحت کیا گیا اور یہی احمدیت و یہودیت کے درمیان گٹھ جوڑ کا آغاز تھا۔ لائیڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے فلسطین میں قادیانی خدمات کا کھلم کھلا اعتراف کیا۔ ۱۹۲۲ء میں مرزا محمود خود فلسطین گیا اور اعلان کیا کہ یہودی اس خطہ کے مالک ہو جائیں گے۔ مرزا محمود نے برطانوی ہائی کمشنر سے ملاقات کی اور آئندہ خدمات کا نقشہ تیار کیا۔ جلال الدین شمس کے ساتھ دو یہودی نژاد محمد المغربی الطرابلسی اور عبدالقادر عودہ صالح منسلک کیے گئے۔

روس سے برطانیہ کو ہندوستان میں ابتداء ہی سے خطرہ تھا۔ لیکن پھر یہ کام قادیانیوں کو سونپا گیا چنانچہ ۱۹۲۱ء میں ایک قادیانی محمد امین خان ایران کے راستہ روس میں داخل ہوا اور روسی حکومت نے پکڑ کے جیل میں ڈال دیا۔ وہ برطانوی حکومت کی مداخلت سے رہا ہوا واپس آیا تو مرزا محمود سے ہدایت لے کر دوبارہ ایک دوسرے شخص ظہور حسین کے ہمراہ لوٹ گیا۔ ظہور حسین بھی روسی حکومت کے ہاتھ آ گیا اور دو سال ماسکو جیل میں رہا۔ بالآخر برطانوی سفیر مقیم ماسکو کی تگ ودو سے

رہا ہوا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۱۹ء میں افغانستان اور انگریزوں میں جنگ چھڑی تو قادیانی ایک کمپنی کی شکل میں برطانوی خدمات انجام دینے لگ گئے۔ مرزا محمود کا چھوٹا بھائی ٹرانسپورٹ کور میں کام کرتا رہا اس کے سپرد قبائلی علاقے کے حالات کی فراہمی کا مشن تھا۔ ایک شخص نعمت اللہ قادیانی کو افغانستان میں جاسوسی کے لیے مقرر کیا گیا۔ لیکن جولائی ۱۹۲۴ء میں وہ گرفتار ہو گیا اور افغان گورنمنٹ نے سنگسار کر ڈالا۔ پھر فروری ۱۹۲۵ء میں دو اور قادیانی ملا عبدالحلیم اور ملا نور علی اسی پاداش میں قتل کیے گئے۔ پہلا قادیانی جو افغانستان میں ہلاک کیا گیا۔ وہ صاحبزادہ عبداللطیف تھا۔ جو مرزا محمود کے بیان کے مطابق (الفضل ۱۲ اگست ۱۹۳۵ء) جہاد کی مخالفت کے جرم میں قتل کرایا گیا۔

مرزا نے استعمار پرستی کی ترنگ میں سب سے شرمناک کام یہ کیا کہ مسلمانوں کی ملی وحدت میں ناقابل عبور خلیج پیدا کی۔ اس وقت جن علماء حق سے مسلمانوں کی دینی غیرت کا چرچا تھا، مرزا نے للکار للکار کے انہیں بے نقط گالیاں دیں۔ ان کے ناوک سے کوئی دینی وجود محفوظ نہ رہا۔ ایک صاحب منشی الٰہی بخش نے مرزا کی تحریروں سے ان گالیوں کو ردیف وار جمع کیا۔ مرزا کی محبوب گالیاں تو بہت سی تھیں لیکن بڑی گالی یہ تھی کہ جو انہیں نہیں مانتا وہ زانیہ عورتوں کی اولاد ہے (آئینہ کمالات صفحہ ۵۴۷) پھر اس کے ہم معنی الفاظ کا اعادہ کرتا رہا۔ دوسری گالی جس سے مرزا کا نطق لذت پاتا وہ حرامزادہ کا لفظ تھا۔ مرزا نے عیسائیوں اور آریوں کو تسلسل سے حرامزادہ کہا۔ اسی طرح مسلمان علماء کو اپنی بعض کتابوں اور کئی ایک اشتہاروں میں اسی لفظ سے مخاطب کیا۔ اس کے مترادف جتنے عریاں الفاظ تھے اکثر و بیشتر لکھتا رہا، حتیٰ کہ بعض پمفلٹ صرف گالی تھے۔ مرزا نبی ہوتا تو نبی کی زبان استعمال کرتا۔ چونکہ متنبّی تھا اور انگریزی حکومت نے اسے ایک مشن سونپ رکھا تھا اس لیے حکومت مرزا کی اس زبان کا حوصلہ بڑھاتی۔ نتیجۃً عیسائیوں اور آریوں کو پروپیگنڈا کرنے کا موقع ملتا کہ اسلام میں پیغمبروں کی زبان یہ رہی ہے اور جو شخص خود کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل و بروز کہتا ہے اس کی اپنی زبان اتنی غلیظ ہے تو جس کا بروز و ظل ہے اس کی زبان (خاکم بدہن) کیا ہوگی؟ یہ گویا مرزا کی بدولت سیرت رسول پر حملہ آوری کا ایک حربہ تھا۔ دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ مرزا نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تنافر کو اٹھا کر پختہ کیا جو انگریزی عملداری کے لیے ضروری تھا۔ مرزا برطانیہ کی استعماری خواہشوں کا مظہر تھا۔ اس نے پنجاب کی حد تک انگریزی حکومت کی بے نظیر خدمت کی کہ پورا صوبہ کئی واسطوں سے وفاداری بشرط استواری کا مرقع ہو گیا اور یہی مرزا کا سب سے بڑا کارنامہ تھا۔

پنجاب کے ان اضلاع میں جو انگریزوں کے لیے سپاہی پیدا کرتے تھے۔ قادیانیت کی آبیاری کی گئی اور عسکری اضلاع میں ایک آدھ گاؤں ان کے لیے مخصوص کیا گیا۔ لیکن پنجاب کا سہ لیسی میں فرد ہونے کے باوجود مرزائیت کے لیے تنگ ہو گیا، تمام مساجد میں مرزائیت کے خلاف جمعہ کو وعظ ہوتے۔ کسی مرزائی کے لیے مسلمانوں میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ پہلی جنگ عظیم تک منبر و محراب کے یہی لیل و نہار رہے کہ علماء دینی تقاریر و خطبات میں مرزائیت کا محاسبہ کرتے اور عوام اس

سے بچتے۔کوئی جگہ تھی تو مغربیت میں ڈھلے ہوئے سیاسی مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جو قرآن وحدیث سے نابلد ہونے کے باعث مرزائیت کو مسلمانوں کا ایک فرقہ خیال کرتا اور اس سے اختلاف کو منبر ومحراب کی عادتِ مستمرہ گردانتا یا پھر ان کے مفادات کا ایک حصہ مرزائیت کے حلقہ میں تھا۔اس زمانہ کے تمام دینی رسائل وجرائد میں مرزائیت کی چھاڑ کی جاتی۔ادھر علماء کے تمام حلقے اختلاف فکر ونظر کے باوجود، مرزائیت کے مقابلہ میں متفق الرائے تھے۔اس زمانہ میں مرزائیت سے متعلق علماء کی جانب سے جو کتابیں، رسالے، کتابچے اور اشتہارات شائع ہوئے، ان کی تعداد ''مجلس احرار'' کی سروے رپورٹ کے مطابق ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔مرزا کا انتقال برانڈرتھ روڈ لاہور میں ایک معتقد کے ہاں ہوا،لیکن اس کا جنازہ قادیان لے جانا مشکل ہوگیا۔مسلمانوں نے زبردست مظاہرہ کیا۔بعض منچلوں نے بھنگڑا ڈالا کہ ختمِ نبوت کا ایک سارق بیت الخلاء میں نقد جان ہار گیا۔لوگوں نے ریلوے اسٹیشن تک میت پر کوڑا کرکٹ پھینکا۔یہ تمام مظاہرہ اس امر کی دلیل تھا کہ مرزا کے لیے مسلمانوں کے ذہن میں کوئی جگہ نہیں۔وہ اسے کافر ومرتد گردانتے اور اس کے دعویٰ نبوت کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی کے خلاف جارحانہ اقدام سمجھتے ہیں۔ان مظاہر سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی اپنی زندگی ہی میں ملت اسلامیہ کا راندہ ہو چکا تھا اور اس کے لیے ہندوستانی اقوام میں مذہباً کوئی جگہ نہ تھی۔ادھر مسلمانوں کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ ائمہ تلبیس میں سے ہے۔

احرار رہنما شروع ہی سے قادیانیت کے محاسب تھے،لیکن جماعتی طور پر تحریک کشمیر کے فوراً بعد ۱۹۳۳ء میں قادیانیت کا تعاقب شروع کیا اور سال ڈیڑھ سال کے اندر قادیانی قلعہ میں زبردست شگاف پیدا کر دیے۔مولانا ظفر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک پیدا کر دی تھی، مجلس احرار نے تنظیم پیدا کی۔اس تحریک وتنظیم نے قادیانی گروہ کو مسلمانوں کی ذہنی فضا سے بے دخل کر دیا۔اس صورتِ حال سے قادیانی پریشان اور انگریز ششدر تھے۔انھوں نے اس مسئلہ کو ''احرار احمدی'' نزاع سے تعبیر کیا۔اُن کا خیال تھا کہ اس طرح مسلمانوں کی احتجاجی گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی اور وہ سیاسی شکایتیں جو مسلمانوں کو احرار سے ہیں اُن کی معاون ہوں گی۔مرزائیوں نے اس عنوان سے احرار کشی کے لیے دوڑ دھوپ کی۔پہلے مسجد شہید گنج کی تحریک سے فائدہ اٹھایا۔پھر پاکستان کی تحریک میں احرار سے مسلمانوں کی ناراضی کو استعمال کیا۔

قادیانی مسلمانوں کی ہر تحریک سے من حیث الجماعت ہمیشہ الگ رہے۔ان کے نزدیک برطانوی وفاداری کے سوا کسی دوسری وفاداری کا سوال ہی نہ تھا۔پاکستان بنا تو ظفر اللہ خان کا وزیر خارجہ ہونا ان کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہوگیا۔مرزا بشیر الدین محمود مطمئن تھا کہ علماء بالعموم اور احرار بالخصوص تحریک پاکستان میں عدم شمول کے باعث مسلمانوں کا اعتماد کھو بیٹھے ہیں، اب اُن کے لیے پاکستان میں کوئی جگہ نہیں۔اس نے پاکستان کی سیاست کو نرغے میں لینے کی سازشیں شروع کی۔حتیٰ کہ (۱۹۵۲ء) میں بلوچستان کو قادیانی صوبہ بنانے کا اعلان کیا۔احرار سیاست سے دستبردار ہوگئے تھے،لیکن اس چیز نے اُنھیں چوکنا کر دیا اور وہ قادیانی اُمت کا محاسبہ کرنے دوبارہ میدان میں آ گئے،انھوں نے دو سال میں وہی تحریک

اور تنظیم پیدا کر لی، جس نے آزادی سے پہلے قادیانی اُمت کو مسلمانوں کے ذہن سے خارج کر دیا تھا۔ اب مسئلہ پاکستان کی اسلامی ریاست کا تھا، عوام کا احتساب اب بے پناہ ہو گیا، لیکن سرکاری حکام اسی طرح برطانوی استعمار کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ انھوں نے مسئلہ کو احرار احمدی نزاع کا نام دے کر معدوم کرنا چاہا اور تحریکِ ختمِ نبوت کو مارشل لا کے بل پر کچل ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی احرار کے خلاف پروپیگنڈا تیز ہو گیا۔ جسٹس منیر تحقیقاتی رپورٹ میں مسئلہ کا مذاق اڑایا۔ احرار کو شدومد سے پاکستان دشمن قرار دیتے ہوئے لکھا کہ ''انھوں نے پاکستان کو سبوتاژ کرنے کے لیے ہنگامہ برپا کیا ہے''۔

یہ صحیح ہے کہ مارشل لاء کے استبداد نے راست اقدام کی تحریک ۱۹۵۳ء کو ختم کر دیا، لیکن قادیانی تمام دنیائے اسلام کی نظر میں آ گئے اور جو لوگ اب تک بے خبر تھے کہ مسئلہ کیا ہے؟ وہ باخبر ہو گئے۔ جسٹس منیر نے اس مسئلہ میں نہایت بھونڈا طریق استعمال کیا، انھوں نے علماء کی عزت پر ہاتھ ڈال کر اسلام کا مذاق اڑایا۔ لیکن قادیانیت کے بالارادہ یا بلاارادہ دفاع کے باوجود اس کو اسلام کا سرٹیفکیٹ دینے کا حوصلہ نہ کر سکے۔

مارشل لا کہاں گیا؟ اور مارشل لا لگانے والے کدھر گئے؟ اس بحث کو چھوڑیے۔ ہندوستان کی تحریک آزادی کا پہلا سنگ میل جلیانوالہ باغ کا حادثہ اور پنجاب کا مارشل لا تھا۔ لیکن اس کے ۲۷ برس بعد انگریز برعظیم سے رخصت ہو گیا۔ وہ مارشل لا جو ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کے فدائیوں پر لگا، اس کے ۲۱ برس بعد از روئے آئین مرزائی دائرہ اسلام سے خارج ہو کر جداگانہ اقلیت قرار پا گئے اور جس قضیہ کو انگریزی عہد کے باقیات نے ''احرار احمدی نزاع'' کا نام دیا تھا، وہ اسلام کا بنیادی مسئلہ ہو کر حل ہو گیا۔

احرار بلاشبہ اس محاذ کی جاں نثار فوج تھے، لیکن مسئلہ اُن کا نہ تھا۔ مسئلہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت اور غلام احمد قادیانی کی جماعت کا تھا۔ مرزا قادیانی نے استعمار کی اندھیری رات میں مسلمانوں کی وحدت پر شب خون مار کر اپنے پیرو پیدا کیے تھے۔ قادیانی ملک کی جدوجہدِ آزادی میں سیاسی بدکاری کے مرتکب نہ ہوتے یا اُن کا استعماری چہرہ سامنے نہ آتا تو بھی اُن کا احرار کی پکڑ سے بچنا ناممکن تھا۔ اُن کا یہ جرم ہی ناقابلِ معافی تھا کہ مرزا قادیانی نے نبوت کا سرقہ کیا، قرآن وحدیث کے مطالب میں قلمیں لگائیں، خود کو تمام انبیاء کا بروز کہا، جہاد فسخ کیا، برطانیہ کی طاعت لازم کی حتیٰ کہ ان تمام مسلمانوں کو اسلام سے خارج کر ڈالا، جو اس کے قائل نہ تھے۔ لیکن یہ حقیقت کھل کے سامنے آ گئی کہ مرزا قادیانی برطانوی استعمار کی پیداوار ہے۔ اس کے پیروکار مسلمانوں کے روپ میں برطانوی جاسوس ہیں اور اس کے دو کام ہیں۔ ایک مسلمان ریاستوں کی جاسوسی، دوسرے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی چاکری۔ احرار نے مختلف مرحلوں و تجربوں میں مطالعہ کیا اور جب اُن کا مطالعہ ہر لحاظ سے مکمل ہو گیا تو قادیانیت کا تعاقب شروع کیا اور چند دنوں ہی میں فضا بدل ڈالی۔

(جاری ہے)

ہائے اس ستمگر کو کیا کہیں؟ نبی یا منافق　(آخری قسط)

شیخ راحیل احمد رحمۃ اللہ علیہ (سابق قادیانی)

(۳) وعدہ خلافی:

منافق کی تیسری نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ ''وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے''۔

براہین احمدیہ کی پچاس جلدیں لکھنے کا وعدہ کر کے قیمت پیشگی وصول کر لی تھی، چار جلدیں لکھ کر پیسے کو بغیر ڈکار مارے ہضم کر گئے، اور ۲۲/۲۳ برس تک مطالبہ کرنے والوں کو کوستے اور گالیاں دیتے رہے۔ آخر ۲۲/۲۳ برس کے بعد پانچویں جلد لکھی اور اس میں یہ لکھا کہ پانچ جلدوں سے ہی پچاس جلدوں کا وعدہ پورا ہو گیا، (اور الہامی حساب یوں بتایا کہ) کیونکہ پانچ اور پچاس میں ایک نقطے کا ہی تو فرق ہے، اس لیے پانچ جلدوں سے ہی پچاس کا وعدہ پورا ہو گیا، اور جن تین سو کے قریب عظیم الشان دلائل کا وعدہ کیا، ان کے اپنے بیٹے کے مطابق ان میں سے ایک بھی دلیل پوری نہیں لکھی گئی، یہ ایک تفصیلی موضوع ہے، جو یہاں ممکن نہیں۔ اکیلی براہین احمدیہ کی کہانی ہی خدا تعالیٰ کے نام کی ضمانت کے ساتھ کی ہوئی وعدہ کی خلاف ورزیوں کی کلاسیکل کہانی ہے۔

لیکن مرزا صاحب کی ایک اور وعدہ خلافی کی مختصر کہانی وہ ہے جو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے ساتھ مرزا صاحب کے جھگڑے میں پیش آئی۔ مرزا صاحب اور پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے درمیان مرزا صاحب کے دعاوی کی وجہ سے علمی بحث چلی، مرزا صاحب نے اپنی عادت کے مطابق بڑھ بڑھ کر باتیں شروع کر دیں اور پیر صاحب کو تفسیر نویسی کا چیلنج دے دیا، مرزا صاحب فرماتے ہیں:

> ''اگر میرے خدا نے اس مباحثہ میں مجھے غالب کر دیا اور مہر علی شاہ کی زبان بند ہو گئی۔ نہ وہ فصیح عربی پر قادر ہو سکے اور نہ وہ حقائق و معارف سورۃ قرآنی میں سے کچھ لکھ سکے یا یہ کہ اس مباحثہ سے انھوں نے انکار کر دیا تو ان تمام صورتوں میں ان پر واجب ہو گا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں...... یاد رہے کہ مقام بحث بجز لاہور کے جو مرکز پنجاب ہے اور کوئی نہ ہو گا اور اگر میں حاضر نہ ہوا تو اس صورت میں، میں بھی کاذب سمجھا جاؤں گا''۔ (مجموعہ اشتہارات، جلد: ۳، ص: ۳۳۰، ۳۳۱)

اور مرزا صاحب کی بات کہ اس چیلنج میں دوسرے بہت سے علماء کو بھی مخاطب کیا اور ان کو بھی پیر صاحب کے ساتھ ہی چیلنج دے دیا۔ اب اس عظیم الشان چیلنج کا نتیجہ کیا نکلتا ہے اور یہ (خود ساختہ) ''خدا کا پہلوان نبیوں کے حلہ میں''

کس طرح کامیاب وکامران اور سرخرو ہوکر اس امتحان سے نکلتا ہے؟ مرزا صاحب کے اپنے الفاظ میں:

''یہ ایام ابتلا کے ایام ہیں، پھر فرمایا: اس وقت جو بولتا ہے، یہی بولتا ہے اور بیسیوں خط اطراف سے اس مضمون کے آتے ہیں کہ مہر علی شاہ نے مرزا صاحب کی ساری شرطیں منظور کر لیں، پھر وہ مقابلہ کے لیے کیوں نہ آئے''۔

اور دوسری جگہ خود ہی لکھتے ہیں کہ:

میری نسبت کہتے ہیں کہ دیکھو اس شخص نے کس قدر ظلم کیا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب جیسے مقدس انسان بالمقابل تفسیر لکھنے کے لیے صعوبتِ سفر اٹھا کر لاہور میں پہنچے، مگر یہ شخص اس بات پر اطلاع پا کر اپنے گھر کے کسی کوٹھے میں چھپ گیا''۔

(مجموعہ اشتہارات، جلد:۳،ص:۳۶۹، ۳۷۰)

اب اس خود ساختہ خدائی پہلوان کے عذرات سنیے، لیکن مرزا صاحب کے عذرِ لنگ پڑھنے سے پہلے اُن کی ایک پیش گوئی کو ذہن میں رکھیے، مرزا صاحب فرماتے ہیں:

''براہین احمدیہ میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی یہ پیش گوئی ہے کہ قتل وغیرہ کے منصوبوں سے بچایا جاؤں گا''۔(حقیقت الوحی، رخ جلد:۲۲،ص:۲۳۴)

اور اس پیش گوئی کے ساتھ مرزا صاحب کا ایک دعویٰ (یا بڑھک) یہ بھی سامنے رہے:

''ہم خدا کے مرسلین اور مامورین کبھی بزدل نہیں ہوا کرتے، بلکہ سچے مومن بھی بزدل نہیں ہوتے، بزدلی ایمان کی کمزوری کی نشانی ہے''۔

(ملفوظات، جلد:۷،ص:۳۷۱)

اب مرزا صاحب کا عذر پڑھیے:

''میں بہر حال لاہور پہنچ جاتا مگر میں نے سنا ہے کہ اکثر پشاور کے جاہل سرحدی، پیر صاحب کے ساتھ ہیں اور ایسا ہی لاہور کے اکثر سفلہ اور کمینہ طبع لوگ گلی کوچوں میں مستوں کی طرح گالیاں دیتے پھرتے ہیں اور نیز مخالف مولوی بڑے جوشوں سے وعظ کر رہے ہیں کہ یہ شخص واجب القتل ہے، تو اس صورت میں لاہور میں جانا بغیر کسی احسن انتظام کے کس طرح مناسب ہے''۔(مجموعہ اشتہارات، جلد:۳،ص:۳۵۰)

اس موضوع پر تفصیل کسی اور آرٹیکل میں بیان کروں گا، اس وقت میرا سوال صرف یہ ہے کہ کیا جن انسانوں کی زبان پر خدا کا کلام جاری ہوتا ہے، وہ ایسے ہی بے تکے وعدے کر کے اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ بے بنیاد عذر پیش

کر کے ان وعدوں سے بھاگتے ہیں اور خلاف ورزیاں کرتے ہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہوتا۔

(۴) گالیاں:

منافق کی چوتھی نشانی یہ ہے کہ ''جب کسی سے جھگڑے تو گالیاں دے''۔

مرزا صاحب سے قبل بھی اور بعد میں بھی کئی لکھنے والے اپنے مخالفین کو اپنی تحریروں میں گالیاں دیتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا، لیکن مرزا صاحب جس مقام کا دعویٰ کر رہے ہیں، اس مقام کے دعوے داروں سے دنیا نے اس سے قبل ایسی فنکارانہ گالیاں نہیں سنی تھیں، اور اپنے مخالفین پر لعنت ڈالنے میں، اور ان کو گالیاں دینے میں اگر مرزا صاحب امام الزماں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، تو ان کا یہ دعویٰ، خاکسار نہ صرف بسر وچشم قبول کرے گا بلکہ آپ کو بھی مشورہ دے گا کہ قبول کر لیں اور دیر نہ کریں۔ میری بات کے ثبوت کے لیے انتہائی ہلکا نمونہ پیش خدمت ہے، مرزا صاحب فرماتے ہیں:

> ''اور کتا ایک صورت ہے اور تو اس کی روح ہے۔ پس تیرے جیسا آدمی کتے کی طرح بھونکتا ہے اور فریاد کرتا ہے، میں نے تجھے تنبیہ کے لیے طمانچہ مارا مگر تو نے طمانچہ کو کچھ نہ سمجھا۔ پس کاش ہمارے پاس مضبوط اونٹ کے چمڑے کا جوتا ہوتا، اور جو گالی دینا چاہے گا وہ ہم سے سنے گا۔ اور اگر تو بات اور حملہ میں نرمی کرے گا تو ہم بھی نرمی کریں گے، اور میں تیرے نفس میں علم اور عقل نہیں دیکھتا۔ اور تو خنزیر کی طرح حملہ کرتا ہے اور گدھوں کی طرح آواز کرتا ہے، اور تو نے بدکار عورت کی طرح رقص کیا اور مجھے فاسق ٹھہرایا حالانکہ تو سب سے زیادہ فاسق ہے، اے شیخ شقی! سوچ۔ اور انسان کی طرح فکر کر اور گدھے کی طرح آواز کر، پس میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر خدا کا خوف اور حیا نہ ہوتا تو میں قصد کرتا کہ گالیوں سے تجھے فنا کر دیتا''
>
> (حجۃ اللہ، رخ جلد:۱۲، ص:۲۳۱ سے ۲۳۶)

اور اگر آپ آخری مصرع پر غور کریں تو مرزا صاحب کا بھی دعویٰ ہے کہ وہ گالیوں سے ہی جس کو چاہیں فنا کر سکتے ہیں اور میں بانگ دہل اعلان کرتا ہوں کہ میں مرزا صاحب کے گالیوں سے مخالفین کو فنا کر دینے والے دعوے پر یقین رکھتا ہوں۔

نہ صرف اسلامی تحریروں بلکہ ان کے اپنے تحریری تسلیم شدہ اصولوں کی روشنی میں، مرزا صاحب کی ساری زندگی ایک منافق کی زندگی کے طور پر گزری ہے، اگر ہم مرزا صاحب کو جھوٹا، گالیاں دینے والا، امانت کا خیال نہ کرنے والا، وعدہ خلاف نہ بھی کہیں تو کم از کم ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی طبیعت میں دورنگی تھی اور ایسی فطرت والے کو مرزا صاحب کیا کہتے ہیں۔

''یادرکھو منافق وہی نہیں ہے جو ایفائے عہد نہیں کرتا یا زبان سے اخلاص ظاہر کرتا ہے،
مگر دل میں اس کے کفر ہے بلکہ وہ بھی منافق ہے، جس کی فطرت میں دورنگی ہے''۔

(ملفوظات، جلد: ۶، ص: ۱۷۴)

تب بھی مرزا صاحب اپنی تحریر سے اپنے آپ کو منافق قرار دیتے ہیں اور ایک منافق چاہے ادنیٰ درجہ کا بھی کیوں نہ ہو، کیا اس مقام پر فائز ہو سکتا ہے، جس مقام کا دعویٰ مرزا صاحب کو ہے؟

مرزا صاحب پر ایمان لانے والو!

آپ نے مرزا صاحب کو صرف اور صرف اس لیے تسلیم کیا ہے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پیروی کا راستہ دکھاتے ہیں، اب خود دیکھ لو کہ کیا مرزا صاحب کا راستہ واقعی پیروی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا منافقت کا؟ مجھے یہ امید ہے کہ (چاہے آپ کھلے عام اس کو تسلیم کریں یا نہ کریں) کہ خاکسار کی گزارشات پڑھنے کے بعد آپ کے ذہن میں بھی یہ سوال پیدا ہوگا۔

''اے ستمگر تجھے کیا کہیں؟ نبی یا منافق''؟

(فقط والسلام آپ کا خیرخواہ، شیخ راحیل احمد (سابق احمدی رقادیانی) از جرمنی مورخہ ۱۵ر جون ۲۰۰۵ء)

دعاءِ صحت

- ★ قائد احرار، ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
- ★ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند گرامی جناب خواجہ رشید احمد صاحب کئی برس سے قومہ کی حالت میں ہیں
- ★ لاہور کے بزرگ احرار کارکن چودھری محمد اکرام صاحب
- ★ مجلس احرار اسلام گڑھا موڑ کے بزرگ کارکن حافظ لیاقت شدید علیل ہیں
- ★ مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم کارکن محمد یعقوب خان خواجکزئی
- ★ چیچہ وطنی، پیر جی عبداللطیف رحمہ اللہ کے پوتے، پیر جی عبدالجلیل مدظلہٗ کے فرزند خلیل الرحمٰن علیل ہیں
- ★ حضرت مولانا محمد یسین رحمہ اللہ (سابق مہتمم جامعہ قاسم العلوم ملتان) کے فرزند حافظ محمد شعیب شدید علیل ہیں

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مریضوں کی صحت یابی کے لیے دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ سب کو شفا کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

مسافران آخرت

☆ حضرت مفتی افتخار الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ: مرشد العلماء، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفہٗ مجاز حضرت مفتی افتخار الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ 2/جون 2019ء کو کاندھلہ، انڈیا میں انتقال کر گئے

☆ ڈاکٹر سید وسیم اختر رحمہ اللہ: جماعتِ اسلامی پنجاب کے پارلیمانی لیڈر ڈاکٹر سید وسیم اختر 3/جون 2019ء کو بہاول پور میں انتقال کر گئے۔ مرحوم بہت ہی با اخلاق اور مخلص انسان تھے۔

☆ شیخ عبدالحئی لدھیانوی مرحوم کے بڑے بیٹے اور نقیب ختم نبوت کے مستقل قاری شیخ قیوم نظر لدھیانوی انتقال 12/جون

☆ بلال خان شہیدؒ: سوشل میڈیا کے معروف بلاگر، طالب علم اور صحافی 21 سالہ بلال خان 17/جون کو اسلام آباد میں نامعلوم دہشت گردوں نے شہید کر دیا۔ مرحوم عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حُبِّ صحابہ رضی اللہ عنہم اور جذبہٗ حب الوطنی سے سرشار ایک ذہین اور باصلاحیت نوجوان تھے۔

☆ ڈاکٹر محمد مرسی شہید رحمۃ اللہ: مصر کے سابق صدر اور اخوان المسلمین کے رہنما ڈاکٹر محمد مرسی دورانِ قید عدالت میں پیشی کے موقع پر انتقال کر گئے۔ مرحوم، مصر کے پہلے منتخب صدر تھے، جنھیں اسلام سے لازوال وابستگی کے جرم میں فوجی بغاوت کے ذریعے اقتدار سے ہٹا کر قید کر دیا گیا تھا۔ محمد مرسی ایک سچا کھرا مسلمان، مبلغ اسلام اور مردِ مجاہد تھا۔ عالمی استعمار کے ایجنٹ فوجی حکمران کے عہد اقتدار میں دورانِ قید اُن کی موت نے اُنھیں دنیا و آخرت میں سرخ رو کر دیا۔ انھوں نے موت قبول کر لی، لیکن نصب العین اور دینی غیرت و حمیت کا سودا نہیں کیا۔

☆ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ: دارالافتاء، جامعہ دارالتقویٰ لاہور کے رئیس، حضرت مفتی عبدالواحد 22/جون 2019ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ مفتی صاحب علمی حلقوں میں خاص مقام کے حامل تھے۔ وہ باقاعدہ ڈاکٹر تھے، لیکن علم دین حاصل کیا اور اللہ کی مخلوق تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دین کی نسبت سے بہت عزت عطا فرمائی۔

☆ مدرس حرم، حضرت مولانا محمد مکی حجازی کی اہلیہ محترمہ، 19 جون کو مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئیں۔ مرحومہ تقریباً چالیس برس سے مکہ مکرمہ میں مقیم تھیں اور معتمرین وحجاج کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ 19 جون کی شام مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئیں۔ 20 جون کی صبح بعد نماز فجر مسجد الحرام میں نماز جنازہ امام کعبہ نے پڑھائی اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں، حسنات قبول فرمائیں اور سیئات سے درگزر فرمائیں، آمین۔

☆ حضرت مولانا فیصل متین سرگانہ کے خالو محمد یوسف سرگانہ مرحوم، انتقال: 19 جون۔

☆ مجلس احرار اسلام گڑھا موڑ، چک 100 کے احرار کارکن حافظ لیاقت علی کی بھابھی گزشتہ ماہ انتقال کر گئیں۔

☆ مدرسہ معمورہ کے مدرس، قاری محبوب الرحمٰن کے چچا قاری عبدالرحیم مرحوم، 10 جون کو انتقال کر گئے۔

اللہ تعالیٰ سب مرحومین کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ آمین

چیچہ وطنی میں ہمارے ادارے

- دفتر شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت، مجلس احرار اسلام جامع مسجد بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی
- دارالعلوم ختم نبوت جامع مسجد بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی
- مُفکر احرار چودھری افضل حق لائبریری جامع مسجد بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی
- ختم نبوت ٹرسٹ (شعبۂ خدمت خلق) جامع مسجد بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی
- مرکزی مسجد عثمانیہ ہاؤسنگ سکیم چیچہ وطنی
- مسجد ختم نبوت رحمٰن سٹی چیچہ وطنی

- دارالعلوم ختم نبوت جامع مسجد سے متصل پونے تین مرلہ جگہ ساڑھے اٹھائیس لاکھ روپے میں خریدی گئی ہے۔
- مرکزی مسجد عثمانیہ میں سیلنگ کرائی گئی ہے اور مسجد کو مکمل ائیر کنڈیشنڈ کر دیا گیا ہے۔
- مسجد ختم نبوت رحمٰن سٹی کا ہال اور برآمدہ تعمیر ہو چکا ہے۔
- مستقبل میں جامع مسجد والے مرکز میں ان شاء اللہ تعالیٰ فری ڈسپنسری اور درجۂ کتب کا منصوبہ زیر غور ہے۔
- آئندہ سال دارالعلوم ختم نبوت جامع مسجد والی درسگاہ کو ائیر کنڈیشنڈ کرنے کا ارادہ ہے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

زکوٰۃ وصدقات اور عطیات وفطرانہ سے تعاون فرمائیے اور اللہ سے اجر پائیے!

سرپرست

قائد احرار حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری
مدظلہ العالی

جانشین شیخ المشائخ حضرت
خواجہ خلیل احمد
مدظلہ العالی

بانی و منتظم

حاجی
عبداللطیف خالد چیمہ
حفظہ اللہ تعالیٰ

رابطہ

قاری محمد قاسم
جامع مسجد بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی
0302-6913303

مولانا منظور احمد
مسجد عثمانیہ ہاؤسنگ سکیم چیچہ وطنی
0300-6901649

مفتی قاضی ذیشان آفتاب
مسجد ختم نبوت رحمٰن سٹی چیچہ وطنی
0306-8747970

اکاؤنٹ بنام دارالعلوم ختم نبوت بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی،
اکاؤنٹ نمبر 076000,4037251873
نیشنل بنک آف پاکستان
جامع مسجد بازار چیچہ وطنی

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور سودی قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) ...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲)...... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہو گیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپکے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتبہ مولانا محمد امین مرحوم معلم اسلامیات، فیصل آباد

دعاؤں کے طالب

CARE PHARMACY کیئر فارمیسی

Trusted Medicine Super Stores — 24 گھنٹے سروس — اصلی اور معیاری ادویات کے مراکز

Head Office: Canal View, Lahore

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! فیصل آباد میں 13 برانچز کے بعد، گوجرہ، جڑانوالہ، گوجرانوالہ، سانگلہ ہل، حافظ آباد، چنیوٹ

آپ کی خدمت کے لیے 24 گھنٹے سروس